پیشکش www.pdfbooksfree.pk

خاک اور خون

نسیم حجازی

چوتھا حصہ

PDFBOOKSFREE.PK
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اے قوم

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

چوتھا حصّہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اے قوم!

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سلیم کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک صاف ستھرے کمرے میں بستر پر پڑا ہوا پایا۔ کمرے میں چھت کے ساتھ لٹکا ہوا بجلی کا بلب روشن تھا۔ وہ کچھ دیر سکتے کے عالم میں بتی کی طرف دیکھتا رہا۔ "میں کہاں ہوں؟" اس کے دل میں خیال آیا اور اس پرسکون فضا میں کئی ہنگامے بیدار ہو گئے۔ انتہائی پریشانی اور اضطراب کی حالت میں سلیم نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُسکے دماغ پر پھر غنودگی طاری ہو گئی۔ وہ عورتوں اور بچوں کی چیخ پکار اور بندوقوں کی تڑاخ پڑاخ سننے لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے آگ کے مہیب شعلے رقص کرنے لگے۔ آگ کے شعلوں میں اسے اپنے گاؤں اور اپنے خاندان کے بچوں، عورتوں اور مردوں کی صورتیں نظر آنے لگیں۔ پھر آگ آہستہ آہستہ بجھ گئی اور یہ صورتیں غائب ہو گئیں۔ سلیم دوبارہ ہوش میں آ چکا تھا۔ لوگوں کی چیخ پکار، بندوقوں کی ٹھائیں ٹھائیں اور بموں کے شور کی بجائے وہ میز پر رکھے ہوئے ٹائم پیس کی ٹک ٹک سن رہا تھا۔ کچھ دیر وہ آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ "میں کہاں ہوں؟ میں کہاں ہوں؟" یہ سوال اس کے دل و دماغ پر حاوی ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا بستر ٹٹولا۔ "یہ خواب نہیں ہو سکتا۔" اس نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔ بائیں ہاتھ گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔ سامنے کی دیوار میں دو کھڑکیاں کھلی تھیں اور ان میں سے پھولوں سے لدی ہوئی بیل کی شاخیں نظر آ رہی تھیں۔ کھڑکی کے قریب ایک سٹول پر مٹی کی ایک صراحی اور شیشے کا گلاس رکھا ہوا تھا۔ باہر ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں کے ساتھ درخت کے پتوں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ سلیم نے بائیں کروٹ بدلنے کی کوشش کی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لیکن دایاں بازو ہلانے سے اسے تکلیف محسوس ہوئی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے اپنا بازو ٹٹول کر دیکھا اس پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اب اسے یقین ہو رہا تھا کہ دریا کے کنارے اس نے آخری منظر خواب کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ جب حملہ ہوا تھا تو وہ غلام علی اور صادق کے ساتھ مورچے میں بیٹھ گیا تھا پھر شاید اسے گولی لگی تھی۔۔۔۔ نہیں، شاید اس کے نزدیک بم پھٹا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ دریا کہاں ہے؟ میرے ساتھی کہاں ہیں؟ میں کہاں ہوں؟ اُف! میں شاید سکھوں کی قید میں ہوں۔ لیکن یہ بستر، یہ کمرہ، یہ بجلی کی روشنی، سکھ تو لاشوں کو بھی مسخ کر دیتے ہیں۔ اگر میں ان کے ہاتھ آتا تو وہ مجھے زندہ کیوں چھوڑتے؟" اُس نے اپنے دائیں بازو کو دوسرے ہاتھ کا سہارا دے کر آہستہ سے کروٹ بدلی اسے میز کے ساتھ کرسی پر کوئی جانی پہچانی صورت دکھائی دی۔ اس کے سر میں پھر ایک بار چکر آنے لگے۔ اس دفعہ بیہوشی کا دورہ بہت مختصر تھا۔ پانچ منٹ بعد وہ دوبارہ ہوش میں آکر اپنے آپ کو سمجھا رہا تھا: "یہ خواب ہے۔ یہ خواب ہے۔ نہیں، یہ خواب نہیں۔" میز پر رکھے ہوئے ٹائم پیس کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی جس کی سوئیاں سوا چار بجے کا وقت دکھا رہی تھیں۔ دوسری میز پر دوائی کی شیشیاں اور ٹیکے کا سامان پڑا ہوا تھا۔ بجلی کا بلب روشن تھا۔ کھڑکی سے بیل نظر آ رہی تھی درخت کے پتوں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ جاگ رہا تھا۔ وہ ہوش میں تھا اور اپنے دائیں بازو میں تکلیف محسوس کر رہا تھا اور زندگی کی ایک جیتی جاگتی حقیقت اس کے سامنے تھی ـــــ عصمت اس سے صرف دو بالشت دُور آرام کرسی پر سو رہی تھی۔ کرسی کے ایک بازو پر اس کا ایک ہاتھ سلیم سے اس قدر قریب تھا کہ وہ اسے چھو سکتا تھا۔ "عصمت! میری عصمت! میری زندگی! میری رُوح!" وہ بولنا چاہتا تھا لیکن اس کے منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی ـــــ وہ محویت کے اس عالم میں تھا جہاں وقت کے قدم رک جاتے ہیں۔

ساڑھے چار بج گئے۔ پانچ بج گئے اور پھر اچانک ٹائم پیس کا الارم بجنے لگا۔ عصمت نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ جلدی سے الارم بند کیا اور پھر سلیم کی طرف دیکھنے لگی۔ اچانک اس کے دل و دماغ کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آگئیں۔ پھر اس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں

سے آواز نکلی "اللہ تیرا شکر ہے۔ تیرا شکر ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے ـــــ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا: "اللہ تیرا شکر ہے ـــــ میرے اللہ تیرا شکر ہے۔" عصمت سسکیاں لے رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں عصمت، میں ٹھیک ہوں۔" سلیم نحیف آواز میں کہہ رہا تھا۔ عصمت آنسو پونچھتی ہوئی کرسی سے اُٹھی اور میز سے تھرمامیٹر اٹھا کر سلیم کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی:

"میں آپ کا ٹمپریچر دیکھ لوں، لیجیے!"

سلیم کے ذہن میں کئی سوالات تھے۔ عصمت نے اس کے مُنہ میں تھرمامیٹر لگا کر اُسے خاموش کر دیا اور کوئی دو منٹ کے بعد عصمت نے تھرمامیٹر نکال کر دیکھتے ہوئے کہا:

"اب آپ کا ٹمپریچر ایک سو ایک ہے۔"

سلیم نے کہا: "اگر یہ خواب نہیں تو مجھے بتلایئے میں کہاں ہوں؟"

"ہم لاہور میں ہیں۔"

"لاہور! لیکن میں یہاں کیسے پہنچا؟"

"میں آپ کو انجکشن دے لوں، پھر آپ کو سب کچھ بتاؤں گی۔" عصمت یہ کہہ کر انجکشن کا سامان تیار کرنے لگی۔

"عصمت!"

عصمت نے مڑ کر دیکھا۔ سلیم نے پھر کہا: "عصمت ٹھہرو۔ تھوڑی دیر یہاں بیٹھ جاؤ!"

ان الفاظ میں ایک درخواست تھی۔ ایک التجا تھی۔ ایک حکم تھا۔ عصمت کرسی پر بیٹھ گئی۔ سلیم نے کہا: "مجھے بتاؤ عصمت! میں یہاں کیسے پہنچا؟"

آپ کو بھائی ارشد لے کر آئے تھے۔ وہ دہلی سے یہاں پہنچتے ہی آپ کی تلاش میں چلے گئے تھے۔ بھائی جان نے آپ کو بیہوشی کی حالت میں وہاں سے نکالا تھا۔

"لیکن ان کا کیا حشر ہوا؟ ان عورتوں اور بچوں کا کیا ہوا؟ اور وہ زخمی اور بیمار لوگ؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سلیم نے انتہائی کرب کی حالت میں آنکھیں بند کرلیں۔

عصمت نے کہا "بھائی جان کہتے ہیں کہ وہاں مسلمان سپاہی پہنچ گئے تھے اور وہ [illegible] کے جتھے کو بھگانے کے بعد سب کو حفاظت سے نکال کر لے آئے تھے۔"

"فوج کے سپاہی! کاش یہ درست ہو۔" سلیم نے یہ کہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

"میں آپ سے جھوٹ نہیں کہتی۔ آپ کے ساتھیوں میں سے بعض آپ کو دیکھنے کے لیے آیا کرتے ہیں۔ شاید آج بھی کوئی آئے۔ آپ ان سے پوچھ لیجیے۔"

سلیم نے سوال کیا "مجھے یہاں آئے ہوئے کتنے دن ہوئے؟"

عصمت نے جواب دیا "گیارہ دن۔"

"گیارہ دن! میں گیارہ دن سے یہاں پڑا ہوا ہوں؟"

"نہیں۔ آپ کو یہاں ساتواں دن ہے ـــــ پہلے آپ ہسپتال میں تھے۔ آپریشن کے بعد آپ کو بھائی جان لے آئے تھے۔ وہاں کسی ڈاکٹر یا نرس کو سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں۔ زخمیوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔"

سلیم نے پوچھا "ارشد کہاں ہے؟"

ارشد اور ابا جان برآمدے میں سو رہے ہیں۔ وہ رات کو دو بجے کیمپ سے ڈیوٹی دے کر آئے تھے اور اب نماز پڑھتے ہی پھر چلے جائیں گے۔ کئی دنوں سے ان کی یہی حالت ہے۔"

"تو میں گزشتہ سات دن سے بے ہوش ہوں؟"

"جی ہاں! آپ کا بخار بہت تیز تھا۔ کل شام تک آپ کا ٹمپریچر ایک سو چار تھا۔ کے دو بجے جب بھائی جان نے دیکھا تھا تو آپ کا ٹمپریچر ایک سو تین سے ذرا نیچے تھا اور انھیں پہلی بار تھوڑا سا اطمینان ہوا تھا۔"

"آپ کو اتنے دن بہت تکلیف ہوئی ہوگی!"

"تکلیف! مجھے تکلیف!" عصمت اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کے چہرے

مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ راحت آنکھیں ملتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور ٹائم پیس کی طرف دیکھ کر بولی "آپا جان! سوا پانچ بج گئے۔ آپ نے مجھے کیوں نہ جگایا۔ آج پھر ساری رات جاگی ہیں۔ جائیے! آرام کیجیے ـــــ!"

عصمت نے کہا "راحت اب یہ ہوش میں ہیں۔"

راحت نے آگے بڑھ کر سلیم کی طرف دیکھا اور اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ راحت سلیم سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ وہ ہر روز سوچا کرتی تھی کہ جب سلیم کو ہوش آئے گا تو میں انھیں کئی واقعات بتاؤں گی۔ ان سے کئی سوالات پوچھوں گی۔ میں انھیں بتاؤں گی بھائی جان! آپ اتنے دن بے ہوش رہے۔ آپ بے ہوشی کی حالت میں بڑبڑایا کرتے تھے۔ آپ فلاں فلاں نام کے لوگوں کو آوازیں دیا کرتے تھے۔ فلاں دن آپ نے سخت بخار کی حالت میں میری طرف دیکھ کر کہا تھا زبیدہ بھاگ جاؤ! انھوں نے مکان کو آگ لگا دی ہے۔ اور فلاں دن جب بھائی جان آپ کی نبض دیکھ رہے تھے تو آپ کہہ رہے تھے ـــــ داؤد لیٹ جاؤ۔ تمھیں گولی لگ جائے گی۔ فلاں دن عصمت ساری رات سجدے میں سر رکھ کر دعائیں مانگتی رہی۔ لاہور میں اتنے لاکھ انسانوں کے قافلے آچکے ہیں۔ کیمپوں میں اتنے ہزار زخمی اور بیمار مر چکے ہیں۔ ہندوستان سے اتنی گاڑیاں آئی ہیں جن میں صرف لاشیں تھیں۔ میں اُن سے کیمپ کے حالات پوچھوں گی۔ میں انھیں بتاؤں گی کہ آپ سے جدا ہونے کے بعد عصمت کی کیا حالت تھی۔ وہ کس طرح رو رو کر دعائیں مانگا کرتی تھی لیکن اب سلیم آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ خاموش کھڑی تھی۔

عصمت نے کہا "بیٹھ جاؤ راحت!" اور وہ ایک کرسی گھسیٹ کر عصمت کے قریب بیٹھ گئی اور قدرے توقف کے بعد بولی "بھائی جان! اب آپ ٹھیک ہیں نا؟"

"میں ٹھیک ہوں راحت!" سلیم نے جواب دیا۔

صبح ہو رہی تھی۔ ارشد کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھیں۔ وہ انگڑائی لینے کے بعد آگے بڑھا۔ راحت اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ارشد نے کہا "تم دونوں جاگ رہی ہو! اب بخار کچھ کم ہوا؟"

راحت بولی "بھائی جان! اب ان کو آرام ہے۔ یہ ہوش میں ہیں۔"

ارشد نے آگے بڑھ کر سلیم کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "عصمت! تم نے ٹمپریچر لیا ہے؟"

"ہاں بھائی جان! اب ایک سو ایک ہے۔ آپ انجکشن لگا دیں۔" عصمت یہ کہتے ہوئے اٹھی اور انجکشن کا سامان درست کرنے لگی۔

ارشد نے نبض دیکھنے کے بعد سلیم کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "اب تمہاری طبیعت کیسی ہے سلیم؟"

سلیم نے کہا "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ دریا کے کنارے جو لوگ میرے ساتھ تھے ان کا کیا حشر ہوا؟"

"وہ سب پاکستان پہنچ چکے ہیں۔"

"تم فوج کے سپاہی لے کر گئے تھے؟"

"میرے ساتھ صرف دو آدمی تھے لیکن میرے دریا عبور کرتے ہی بلوچ رجمنٹ کا ایک حوالدار آٹھ سپاہیوں کو لے کر پہنچ گیا۔ وہ دن کے وقت کیمپ سے قافلے کو لے گیا تھا۔ تم نے اسے فالتو ہتھیار بھی دیے تھے۔"

ارشد نے انجکشن لگانے کے بعد سلیم کے زخم پر نئی پٹی باندھی۔ اتنی دیر میں ڈاکٹر شوکت بھی بستر سے اٹھ کر اندر آگئے۔ گزشتہ صدمات اور تکالیف کے باعث وہ اسقدر نحیف اور لاغر ہو چکے تھے کہ انھیں پہچاننا مشکل تھا۔ تاہم سلیم کو روبہ صحت دیکھتے ہی ان کے مرجھائے ہوئے چہرے پر تازگی آگئی۔ ڈاکٹر شوکت نے کہا "عصمت بیٹی! اب انھیں خط لکھ دو کہ سلیم ہمارے پاس ہے۔ وہ بہت پریشان ہوں گے۔ پرسوں بھی ان کا خط آیا تھا۔"

"کس کا خط؟" سلیم نے چونک کر سوال کیا۔

"امینہ کا خط۔ وہ تمہارے متعلق بہت پریشان ہے!"

"امینہ کو معلوم ہے کہ میں یہاں ہوں؟"

ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا "نہیں! ابھی اسے معلوم نہیں۔ میں یہاں پہنچتے ہی ٹائیفائڈ میں مبتلا ہو گیا تھا، اس لیے اسے تفصیلات سے آگاہ نہ کر سکا۔ بستر پر پڑے پڑے میں نے لیڈروں اور حکومت کے عہدیداروں کو چند خطوط لکھے تھے لیکن کسی نے مجھے تسلی بخش جواب نہ دیا۔ عصمت کا خیال تھا کہ تم دریا عبور کرنے کے بعد سیدھے امینہ کے پاس پہنچ گئے۔ اس لیے اس نے وہاں خط لکھ کر تمہارے متعلق پوچھا۔ کئی دن تک امینہ کا کوئی جواب نہ آیا۔ تمہاری آمد سے دو دن پہلے امینہ کے شوہر کا خط ملا اور ہمیں معلوم ہوا کہ تاخیر کی وجہ مگر سے ان کی غیر حاضری تھی۔ تمہارے گاؤں کے کسی آدمی نے انھیں اطلاع دی تھی کہ مجید سیالکوٹ میں کسی کے ہاں زیر علاج ہے اور وہ امینہ کے ساتھ وہاں چلا گیا تھا۔"

سلیم نے پوچھا "مجید کے متعلق انھوں نے کچھ اور لکھا ہے؟"

"مجید کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ وہ ٹھیک ہے اور اسے اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔"

سلیم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا "تو مجید اب امینہ کے پاس ہے؟"

"ہاں!"

"آپ نے میرے متعلق کیا لکھا ہے؟"

"تمہاری حالت ٹھیک نہ تھی۔ اس لیے میں نے انھیں پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میری خواہش تھی کہ تمہیں ہوش آجائے تو ان سب کو یہاں بلا لوں۔ عصمت تم آج ہی امینہ کو خط لکھ دو۔"

سلیم نے کہا "نہیں، میں خود ہی وہاں جاؤں گا۔ امینہ کو مجید کے پاس رہنا چاہیے۔"

ارشد نے کہا "ہاں ابا جان! عورتوں کے لیے گاڑی میں سفر کرنا اب ناممکن ہو چکا ہے اور ہیضہ بھی زوروں پر ہے۔ میں انھیں تسلی کا خط لکھ دیتا ہوں۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دس دن اور گزر گئے۔ سلیم کا زخم اب ٹھیک ہو چکا تھا۔ ایک صبح وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ عصمت اور راحت برآمدے میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ کھڑکی کے سامنے درخت پر چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ دو چڑیاں درخت سے اتر کر کھڑکی میں بیٹھ گئیں۔ سلیم ان کی طرف دیکھتا رہا تھوڑی دیر میں چند چڑیاں اور آ بیٹھیں۔

سلیم آہستہ سے اٹھا اور سرہانے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ چڑیاں اڑ گئیں۔ برآمدے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ سلیم نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر بستر کے قریب پڑی ہوئی تپائی سے تھرمامیٹر اٹھایا اور منہ میں رکھ کر بیٹھ گیا۔

عصمت اندر داخل ہوئی۔ سلیم کے منہ میں تھرمامیٹر دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔ سلیم نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ چپکے سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

راحت نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔ "آپا! ناشتہ تیار کروں؟"

"ہاں جلدی کرو۔"

راحت نے سلیم سے پوچھا۔ "بھائی جان! کیا حال ہے آپ کا؟"

سلیم نے منہ سے تھرمامیٹر نکال کر عصمت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں ٹھیک ہوں راحت!"

راحت چلی گئی۔ عصمت نے تھرمامیٹر دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج آپ بالکل ٹھیک ہیں!"

"ڈاکٹر صاحب اور ارشد چلے گئے؟"

"وہ آج رات نہیں آئے۔ کیمپوں میں زخمیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے اور ہیضہ بھی زوروں پر ہے ـــــ اس طرح بیٹھنے سے آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی۔ میں آپ کے لیے تکیے لاتی ہوں۔" عصمت اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

کھڑکی میں چڑیاں دوبارہ جمع ہو رہی تھیں۔ عصمت تکیے لے کر آئی تو سلیم نے اسے

ہاتھ کے اشارے سے روکنے کی کوشش کی۔ عصمت نے پریشان ہو کر دبے پاؤں آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "کیا ہے؟" "چڑیاں اچانک اڑ گئیں" سلیم نے کہا۔ "تم نے انھیں ڈرا دیا۔"

"یہ چڑیاں!" عصمت نے اس کے سرہانے تکیے رکھتے ہوئے کہا۔ "جب آپ بیہوش رہا کرتے تھے تو یہ کبھی کبھی اندر آ کر آپ کے بستر پر بیٹھ جایا کرتی تھیں۔"

سلیم نے کہا۔ "گاؤں کی چڑیاں مجھ سے بالکل نہیں ڈرتی تھیں اور بچپن میں کوے تو میرے ساتھ اس قدر مانوس تھے کہ میرے ہاتھ سے روٹی چھین کر لے جایا کرتے تھے۔ چڑیوں کے بچے کبھی کبھی گھونسلوں سے گر پڑتے تو میں انھیں دوبارہ وہاں رکھ دیا کرتا تھا۔ ہمارے گھر میں بہت سے پرندے آیا کرتے تھے۔ برسات کی جھڑیوں میں میں چھت پر ان کے لیے دانے بکھیر دیا کرتا تھا۔ مجید کبھی کبھی انھیں پکڑنے کے لیے چھت پر پھندا لگا دیا کرتا تھا لیکن میں اس سے لڑا کرتا تھا۔ میں اس سے کہا کرتا تھا کہ یہ پرندے میرے ہیں۔ تم باہر سے پکڑو۔ عصمت! کبھی کبھی مجھے خیال آتا ہے کہ وہ پرندے اب کیا سوچتے ہوں گے۔ ان کے چہچہے اب کون سنتا ہوگا۔ وہ راکھ کے انبار دیکھتے ہوں گے ـــــ اور انھیں یقین نہیں آتا ہوگا کہ یہ وہی گاؤں ہے ـــــ یہ وہی مکان ہے۔" سلیم اچانک خاموش ہو گیا۔

عصمت کچھ دیر آنسو بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ سلیم آج تک اپنے گھر یا گاؤں کا ذکر چھیڑنے سے اجتناب کیا کرتا تھا۔ جب کوئی مسئلہ چھیڑتا تو وہ مختصر سے جواب کے بعد اسے ٹالنے کی کوشش کرتا لیکن آج وہ اپنے معمول کے خلاف بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ عصمت نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے پوچھنے کا حق ہے تو مجھے تمام واقعات سنائیے۔"

سلیم نے کہا۔ "عصمت! میں سمجھتا تھا کہ میں صرف دلکش کہانیاں سنانے کے لیے پیدا ہوا ہوں ـــــ اور تم صرف پھولوں سے کھیلنے کے لیے پیدا ہوئی ہو لیکن اب میری جھولی میں بجھی ہوئی راکھ کے سوا کچھ نہیں ـــــ تمھیں یاد ہے عصمت! جب بچپن میں میں تمھیں خوفناک کہانیاں سنایا کرتا تھا تو تم ڈر جایا کرتی تھیں۔ تمھارے چہرے پر پریشانی اور خوف دیکھ کر میں اچانک کہانی کا رخ بدل

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دیا کرتا تھا۔ میں تمھارے چہرے پر صرف مسکراہٹیں دیکھنا چاہتا تھا۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے جان بوجھ کر تمھیں پریشان کرنے کے لیے ایک کہانی کا انجام المناک بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اپنی کہانی کے ہیرو کو اژدہے کے مُنہ میں ڈال دیا تھا لیکن تمھاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مجھ سے یہ برداشت نہ ہو سکا اور میں نے یہ کہہ دیا کہ اژدہا پر بجلی گری اور ہیرو کی جان بچ گئی۔ میری کہانی بھی اژدہوں اور انسانوں کی کہانی ہے۔ انسان سو رہے تھے اور اژدہے ان پر ٹوٹ پڑے۔ کاش میں ان پر بجلیاں گرا سکتا اور اس کہانی کا انجام بدل سکتا۔ لیکن عصمت اس دن کا انتظار کرو جب میں یہ کہتا ہوا تمھارے پاس آؤں کہ ہم نے خوفناک اژدہوں کے جبڑے چیر دیے ہیں۔ ہم نے بھیڑیوں کو انسانوں کی بستی سے نکال دیا ہے۔"

عصمت نے کہا۔ "میں اژدہوں اور بھیڑیوں کو دیکھ چکی ہوں۔ اب میں ہر کہانی سُن سکتی ہُوں۔ آپ نے اس دن کہا تھا، یہ راکھ میری پونجی ہے لیکن وہ صرف آپ کی پونجی نہیں ـــــ ہم دونوں کی پونجی ہے۔ میں صرف آپ کی مسکراہٹوں کی حصے دار نہیں، آپ کے آنسوؤں میں بھی میرا حصہ ہے۔ اگر آپ کے باغ کے پھول میرے لیے تھے تو آپ کے جلے ہوئے خرمن کے انگارے بھی میرے لیے ہیں۔ آپ تنہا نہیں ہیں ـــــ ابا جان کہتے تھے کہ باتیں کرنے سے آپ کے دل کا بوجھ کم ہو جائے گا۔ میں آپ کے خاندان کے متعلق دوسروں سے بہت کچھ سُن چکی ہوں لیکن مجھے شکایت ہے کہ آپ نے اب تک مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ میں آپ سے وہ باتیں سُن سکوں جو انسان صرف اپنے لیے کرتا ہے۔"

"عصمت! میں نہیں چاہتا کہ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو لیکن میں تمھیں بتاتا ہوں۔ میں تمھیں شروع سے آخر تک بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر سلیم نے قدرے توقف کے بعد اپنی سرگزشت شروع کر دی۔ جب وہ اپنے گھر کا آخری منظر بیان کر رہا تھا، عصمت کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ سلیم نے کہا۔ "عصمت تم رو رہی ہو؟"

عصمت نے دونوں ہاتھوں میں اپنا مُنہ چھپا کر سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ "میرے

آنکھوں کے آخری آنسو تھے۔"

باہر کسی کے پاؤں کی آہٹ سُن کر وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ ارشد نے دروازے میں پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا حال ہے سلیم؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

ارشد نے عصمت کی طرف دیکھا اور وہ بولی۔ "آج ٹمپریچر ننانوے سے ذرا اُوپر ہے۔"

"انشاء اللہ کل تک یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ ناشتہ تیار نہیں کیا؟"

باورچی خانے سے راحت کی آواز آئی۔ "ناشتہ تیار ہے بھائی جان! میں لاتی ہوں۔"

عصمت نے پوچھا۔ "ابا جان نہیں آئے؟"

ارشد نے جواب دیا۔ "وہ شاید چند دن اور نہ آئیں۔ کل دوپہر کو وہ واہگہ چلے گئے تھے اور وہاں سے اطلاع آئی تھی کہ شام کے پانچ بجے تک دو لاکھ انسانوں کا قافلہ واہگہ پہنچ جائے گا اور قافلے میں کئی ہزار انسان بیمار اور زخمی ہیں۔"

راحت ناشتہ اور چائے لے آئی۔ ارشد نے جلدی جلدی چائے کی ایک پیالی ختم کرنے کے بعد اٹھتے ہوئے کہا۔ "سلیم! تم اطمینان سے اپنا حصہ ختم کرو۔ میں بارہ بجے کے بعد پھر آؤں گا۔"

سلیم نے کہا۔ "ارشد! میں جانا چاہتا ہوں۔"

"کہاں؟" ارشد نے چونک کر پوچھا۔

"امینہ کے پاس۔ اب میں سفر کر سکتا ہوں۔"

ارشد نے دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "سلیم! ابھی تم تندرست نہیں ہوئے۔ میں تمھیں ایک ہفتہ اور باہر نکلنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ تم یہاں بیٹھے سفر کی مشکلات کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ عصمت! تم امینہ کو خط لکھ دو کہ سلیم اب بالکل ٹھیک ہے۔ دس دن تک تمھارے پاس آئے گا۔"

"نہیں! نہیں!! اسے صرف اتنا لکھو کہ میں ٹھیک ہوں اور عنقریب وہاں پہنچوں گا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پانچ دن کے بعد سلیم، ارشد اور ڈاکٹر شوکت دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ عصمت اور راحت پڑوس کی چند لڑکیوں کے ساتھ دوسرے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ مکان سے باہر سڑک پر ایک فوجی ٹرک رکا، ایک نوجوان اترا اور اس نے پھاٹک میں کھڑے ہو کر آواز دی "ڈاکٹر صاحب!"

"کون ہے؟" نوکر نے باورچی خانے سے نکل کر پوچھا۔

نوجوان نے آگے بڑھ کر سوال کیا "ڈاکٹر شوکت صاحب یہیں رہتے ہیں؟"

"ہاں۔ وہ اندر کھانا کھا رہے ہیں۔ آپ برآمدے میں کرسی پر بیٹھ جائیں، وہ ابھی باہر نکلیں گے۔"

نوجوان نے برآمدے کے قریب پہنچ کر کہا "مجھے جلدی ہے۔ میں سلیم سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔"

یہ آواز سلیم کے کانوں کے لیے نئی نہ تھی۔ روٹی کا نوالہ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گیا اور وہ جلدی سے اٹھ کر مجید مجید کہتا ہوا باہر نکل آیا۔

مجید فوجی وردی پہنے ہوئے تھا۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ نحیف اور لاغر نظر آتا تھا۔ سلیم نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

ارشد اور شوکت بھی باہر نکل آئے۔ مجید نے کہا "ڈاکٹر صاحب! معاف کیجیے، میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی لیکن مجھے بہت جلدی تھی۔"

ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "کیسی جلدی، چلو کھانا کھاؤ!"

"کھانا میں کھا چکا ہوں۔"

ارشد نے اسے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا "آیئے! اندر بیٹھیے!"

مجید نے کہا "میں یہیں سے اجازت لے لوں تو بہتر ہے۔ میرے ساتھی باہر کھڑے ہیں۔"

ارشد نے کہا "آپ چلیں، میں انھیں لے آتا ہوں۔"

"نہیں۔ میں واپسی پر آپ سے ملوں گا۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟" سلیم نے سوال کیا۔

مجید نے کہا "میں نے آج صبح یہاں پہنچتے ہی ہیڈکوارٹر میں رپورٹ کی تھی اور وہاں سے مجھے کنوائے کے ساتھ لدھیانے پہنچنے کا حکم ملا ہے۔ لدھیانے کے نزدیک پچاس ہزار آدمیوں کا ایک قافلہ ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ میں ایک منٹ ضائع کیے بغیر وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔ ہم دو بجے یہاں سے روانہ ہوں گے اور اب ایک بج کر چالیس منٹ ہو گئے ہیں۔"

"تمھاری صحت اب ٹھیک ہے نا؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں سلیم۔ تم کیسے ہو؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔"

مجید نے کہا "داؤد....؟"

"وہ شہید ہو چکا ہے" ——— سلیم نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"اور دوسرے؟"

"صادق اور غلام علی بھی آخری وقت تک میرے ساتھ تھے، وہ پاکستان پہنچ چکے ہیں۔"

"اچھا سلیم! اب میں جاتا ہوں۔ تم جب سفر کے قابل ہو جاؤ تو امینہ کے پاس ضرور جانا۔ وہ تمھیں بہت یاد کرتی ہے۔ بشیر کو بھی میں وہیں چھوڑ آیا ہوں۔"

"میں کل جا رہا ہوں۔" سلیم نے کہا۔

مجید نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "بہت اچھا، اب میں جاتا ہوں۔ مجھے دو بجے سے پہلے واپس چھاؤنی پہنچنا ہے۔" مجید نے مصافحہ کے لیے ڈاکٹر کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے کہا "ہم سڑک تک تمھارے ساتھ چلتے ہیں۔"

عصمت اور راحت دروازے میں کھڑی باہر جھانک رہی تھیں۔ جب ڈاکٹر شوکت، سلیم اور ارشد، مجید کو الوداع کہنے کے لیے باہر نکل گئے تو وہ برآمدے میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد ٹرک کے انجن کی گڑگڑاہٹ سُنائی دی۔ ایک لڑکی نے عصمت کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "وہ کون تھا عصمت؟"

عصمت نے مُڑ کر دیکھتے ہوئے جواب دیا "یہ وہی تھے جن کے متعلق میں تمھیں ابھی بتا رہی تھی ——— "

مائی ڈیئر لارڈ ماؤنٹ بیٹن!

آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ میری ریاست میں تشویشناک صورتِ حالات پیدا ہو گئی ہے اور میں آپ کی حکومت سے فوری امداد کا طلبگار ہوں۔ موجودہ صورتِ حالات میں میرے لیے ہندوستان سے اعانت طلب کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میری درخواست پر اس وقت تک مدد نہیں بھیج سکتا جب تک میری ریاست (کشمیر) کا ہندوستان کے ساتھ الحاق نہیں ہو جاتا۔ لہٰذا میں نے الحاق کا فیصلہ کیا ہے اور متعلقہ درخواست آپ کی منظوری کے لیے بھیج دی ہے ——— اگر میری ریاست کو بچانا مقصود ہو تو سری نگر کے لیے فوری اعانت کی ضرورت ہے۔

آپ کا مخلص

ہری سنگھ"

"میرے پیارے مہاراجہ صاحب!

آپ کے بیان کردہ حالات کے پیشِ نظر میری حکومت نے ہندوستان کے ساتھ ریاست کشمیر کے الحاق کو منظور کرنے کا فیصلہ کیا ہے ——— آپ کی اپیل پر ہندوستانی فوج کے دستوں کو کشمیر بھیجنے کا انتظام کیا گیا ہے تاکہ وہ آپ کی فوج کو ریاست کے دفاع اور آپ کی رعایا کے جان و مال

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اور عزت کی حفاظت کے لیے مدد دیں .....

آپ کا بہت ہی مخلص

ماؤنٹ بیٹن آف برما۔ گورنر جنرل ہندوستان"

یہ دو خطوط اس شرمناک سازش اور اس ذلیل منصوبے کی رسمی کڑیاں تھیں جس کی تکمیل کے لیے دہلی سے لے کر واہگہ تک مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا جس کے لیے اسی لاکھ انسانوں کو پاکستان کی طرف دھکیلا جا رہا تھا ـــــ جس کے لیے ریڈکلف کا ضمیر خریدا گیا تھا، جس کے لیے پاکستان کی فوجیں عمداً باہر رکھی گئی تھیں اور جس کے لیے پاکستان کے حصے کا اسلحہ ہندوستان میں روک لیا گیا تھا۔

راجہ ہری سنگھ کی رگوں میں اس ڈوگرے کا خون تھا جس نے چند لاکھ چاندی کے سکوں[1] کے عوض کشمیر کے لاکھوں مسلمانوں کی آزادی خریدی تھی اور ماؤنٹ بیٹن ان فرنگی تاجروں کا جانشین تھا جنھوں نے کشمیر کے مسلمانوں کی عزت اور آزادی کی قیمت وصول کی تھی۔

کشمیر کے پینتیس لاکھ مسلمان ایک بار پھر فروخت کیے جا رہے تھے لیکن اب یہ لین دین ڈوگرہ استبداد اور ہندو فاشزم کے درمیان تھا۔ ماؤنٹ بیٹن آف برما اس شرمناک سودے میں محض ایک دلال کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ ہندوستان کی اسٹیج پر خونیں ڈرامے کا ایک نیا ایکٹ شروع ہو چکا تھا۔ ایک طرف نہرو اور پٹیل اپنے خونخوار بھیڑیوں کی فوجیں لیے کھڑے تھے، دوسری طرف ہری سنگھ اپنے درندہ خصلت ڈوگروں کے لشکر کی راہنمائی کر رہا تھا اور کشمیری مسلمان کے درمیان میں بلکتی، تڑپتی، چیختی اور چلاتی ہوئی انسانیت ان کے درمیان پابہ زنجیر کھڑی تھی۔ اسٹیج کے پردے کے پیچھے لارڈ ماؤنٹ بیٹن آف برما اس ڈرامے کے ڈائریکٹر کی حیثیت میں کھڑا تھا ـــــ یہ بھیڑوں اور بھیڑیوں کا کھیل تھا اور بھیڑیوں نے بھیڑوں کے گلے پر حملہ کرنے سے پہلے انھیں

[1] معاہدۂ امرت سر کی رو سے انگریزوں نے کشمیر کو جموں کے حکمرانوں کے پاس ۷۵ لاکھ روپے میں فروخت کیا تھا۔

مطمئن کرنے کے لیے ایک بھیڑ کو پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا ـــــ شیخ عبداللہ جنھیں ہری سنگھ نے تقسیم سے کچھ عرصہ پہلے بغاوت کے جرم میں قید کیا تھا، جن کی اعانت کے لیے دیش بھگت پنڈت نہرو کو ہالہ کے پل تک تشریف لے گئے تھے اور پھر ڈوگروں کی سنگینیں دیکھ کر واپس تشریف لے آئے تھے، اب ہندو فاشزم اور ڈوگرہ استبداد کی ایک ہنگامی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جیل سے باہر نکالے گئے تھے۔ ہری سنگھ کا شیخ عبداللہ کو جیل سے نکال کر کابینہ کی تشکیل کی دعوت دینا اور ہری سنگھ کی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ خط و کتابت محض ظاہری رسومات کو پورا کرنے کے لیے تھیں۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ مشرقی پنجاب اور دوسری ریاستوں کی طرح کشمیر کے مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کی تیاریاں بہت پہلے مکمل ہو چکی تھیں۔ ماؤنٹ بیٹن کے رفیق کار ریڈکلف نے مشرقی پنجاب میں مسلم اکثریت کے علاقے ہندوستان میں شامل کر کے کشمیر کا ایک کونہ ہندوستان سے ملا دیا تھا، گاندھی کے چیلے لاکھوں مسلمانوں کی لاشوں پر سے ہندو فاشزم کا رتھ دھکیلتے ہوئے کشمیر کے مسلمانوں کو آگ اور خون کا پیغام دے رہے تھے۔

۱۵ اگست سے قبل ہی مہاراجہ پٹیالہ اور کشمیر کے حکمران کے درمیان سازباز ہو رہی تھی کشمیر کی سرحدوں کے ساتھ مغربی پنجاب کے اضلاع سیالکوٹ، گجرات اور جہلم وغیرہ کی سکھ آبادی کو کشمیر میں منتقل ہونے کی ہدایات مل چکی تھیں۔ ستمبر میں مشرقی پنجاب اور ہندوستان سے راشٹریہ سیوک سنگھ، آزاد ہند فوج کے سپاہی، اکال سینا اور مشرقی پنجاب کی ریاستوں کے بلوائی جموں کے اضلاع میں داخل ہو کر لوٹ مار اور قتل و غارت شروع کر چکے تھے۔ جموں کے مسلمانوں کی بستیوں میں آگ کے شعلے سیالکوٹ سے دکھائی دے رہے تھے۔ ستمبر کے آخر تک ہزاروں پناہ گزین مشرقی پنجاب میں داخل ہو چکے تھے اور اس کے ساتھ ہی اس قسم کی خبریں مشتہر ہو رہی تھیں کہ راجہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کر چکا ہے۔ کشمیر کا ایک کونہ ہندوستان کے ساتھ ملانے والے راستوں کو سڑکوں میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ راوی پر پل بنایا جا رہا ہے اور جب یہ انتظامات مکمل ہو جائیں گے کشمیر کی ڈوگرہ حکومت ہندوستان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دے گی۔ کشمیر کی نوے فیصدی مسلم آبادی اب زندگی اور موت کے درمیان لٹک رہی تھی۔ کشمیر کے ۳۵ لاکھ مسلمان اب اُن خون آشام تلواروں کو اپنی شاہ رگ کے قریب دیکھ رہے تھے جنھوں نے مشرقی پنجاب، دہلی، کپورتھلہ، نابھہ، پٹیالہ، بھرت پور اور الور میں لاکھوں نہتے اور بے بس مسلمانوں کو ذبح کیا تھا ـــــ ان کی بہو بیٹیوں کی طرف ان درندوں کے ہاتھ اُٹھ رہے تھے جنھوں نے کشمیر کی شکارگاہ میں داخل ہونے سے پہلے جمنا کے اس پار سے لے کر راوی کے ساحل تک مظلوم اور بے کس انسانیت کا تعاقب کیا تھا۔

کشمیر کی گُل پوش وادیوں اور زعفران کے کھیتوں کے ہندوستانی سوداگر بادِ سموم کے تیز و تند جھونکوں پر سوار ہو کر آئے تھے ـــــ یہ جواہر لال نہرو کا آبائی وطن تھا اور چونکہ وہ بھارت کا وزیر اعظم بن چکا تھا، اس لیے گاندھی جی کے چیلے کشمیر کے ۳۵ لاکھ مسلمانوں کو آزادی سے محروم رکھنا اپنا فرض خیال کرتے تھے۔

کشمیر کی سرحدیں تبت، روس اور چین کے ساتھ ملتی تھیں اور اب ماؤنٹ بیٹن اور ریڈکلف نے اس کا ایک کونہ ہندوستان کے ساتھ بھی ملا دیا تھا۔ اس لیے پنڈت نہرو کہتا تھا کہ ہندوستان کشمیر کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ کشمیر کے مسلمانوں کے سامنے تاریک گڑھے اور پیچھے آگ کے مہیب شعلے تھے۔ ان کی آخری اُمید پاکستان تھا لیکن ستمبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان جن حوصلہ شکن مصائب کا سامنا کر رہا تھا، وہ نہرو، پٹیل، ہری سنگھ اور ماؤنٹ بیٹن کو یہ یقین دلانے کے لیے کافی تھے کہ ہندوستان کسی وقت کا سامنا کیے بغیر کشمیر کو ہڑپ کر سکتا ہے۔

ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے سلسلے میں راجہ کو سب سے زیادہ پونچھ کے مسلمانوں سے مخالفت کا اندیشہ تھا۔ پونچھ کی آبادی میں قریباً ساٹھ ہزار وہ سابق فوجی تھے جو دوسری عالم گیر جنگ میں ملایا، برما، لیبیا اور اٹلی کے میدانوں میں لڑ چکے تھے۔ یہ سب لوگ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کی صورت میں ان کا کیا حشر ہوگا ـــــ پونچھ

کے وہ سپاہی جو پاکستانی فوج میں تھے اور وہ عوام جو مغربی پنجاب اور صوبۂ سرحد میں ملازمتیں کرتے تھے، ان ریاستوں کے مسلمانوں کے انجام سے بے خبر نہ تھے جو ہندوستان میں شامل ہو چکی تھیں۔

کشمیر کی حکومت نے ان لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے اپنے ڈوگرہ سپاہیوں کو قتل و غارت اور لوٹ مار کا کام سونپ دیا۔ اس ظلم کے جواب میں پونچھ کے مسلمانوں کی زبان سے پاکستان کے حق میں آواز بلند ہوئی۔ ظلم بڑھتا گیا اور اس کے ساتھ یہ آواز بھی بلند ہوتی گئی۔ پونچھ کے مسلمان اپنے بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کو خاک و خون میں لوٹتے اور اپنے گھروں کو جلتے دیکھ رہے تھے اور انھیں مستقبل کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی ـــــ راجہ فوج کو یہ اختیار دے چکا تھا کہ جو شخص اس کی حکم عدولی کرے یا جس پر انھیں شبہ ہو، اسے بلا تاخیر گولی مار دی جائے۔

پانی اب سر سے گزر چکا تھا ـــــ حالات نے پونچھ کے مسلمانوں کو آخری فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا ـــــ جب پاکستان کے لیڈر بیانوں، احتجاجوں اور قراردادوں کے نسخے آزما رہے تھے، پونچھ میں نہتے، فرومایہ اور تہی دست انسانوں کا ایک گروہ اُٹھا اور جبر و استبداد کے طوفان کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔ وہ گمنام سپاہی یقیناً پاکستان کے سب سے بڑے محسن تھے، جنھوں نے سینوں پر گولیاں کھا کر ڈوگروں کی بندوقیں چھین لی تھیں۔ قوم ان شہیدوں کا احسان نہیں بھول سکتی جنھوں نے پہلی بار ڈوگرہ استبداد کے خلاف اعلانِ جہاد کیا تھا ـــــ

قدرت پھر ایک بار اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتی تھی کہ مومن جب موت کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا ہے تو زندگی اس کے قدم چومتی ہے۔ پونچھ کی جنگ کشمیر کے عوام کی جنگ اور کشمیر کے عوام کی جنگ بالآخر پاکستان کے عوام کی جنگ بن گئی ـــــ پونچھ کے مجاہدوں نے ایک قوم کی بقا کی جنگ کی ابتدا کی تھی اور قوم کہہ رہی تھی کہ ـــــ میں زندہ ہوں ـــــ جو نعرہ پونچھ سے بلند ہوا تھا، وہ چند دنوں میں مغربی پنجاب اور سرحد کے میدانوں سے لے کر وزیرستان اور چترال کے پہاڑوں تک گونج رہا تھا۔ قبائلی مجاہدین نے اپنے بھائیوں کی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پکار سُنی اور ان کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔ ڈوگرے بھاگ رہے تھے۔ سیوا سنگھی اور اکالی بھاگ رہے تھے ـــــ مجاہدین کی منزلِ مقصود سری نگر تھی۔

حالات کی یہ تبدیلی، ہندوستان اور کشمیر کی حکومتوں کی توقع کے خلاف تھی۔ راجہ ہری سنگھ نے اپنے پیارے ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ میں آپ کی فوری اعانت کا طلب گار ہوں، اور ماؤنٹ بیٹن نے فوراً جواب دیا کہ ہندوستانی فوج کو کشمیر بھیجنے کا انتظام کیا گیا ہے تاکہ آپ کی فوج کو ریاست کے دفاع اور آپ کی رعایا کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کے لیے مدد دے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن آف برما نے مشرقی پنجاب اور ریاستوں میں ہی نہیں بلکہ دہلی میں اپنے گرد و نواح کے اردگرد مسلمانوں کا قتلِ عام ایک تماشائی کی حیثیت میں دیکھا ـــــ جب مہاجرین کے کیمپوں، قافلوں اور گاڑیوں پر حملے ہو رہے تھے، جب ہزاروں مسلمان لڑکیوں کی عصمت لُٹ رہی تھی، ماؤنٹ بیٹن کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور پھر جب مشرقی پنجاب اور ریاستوں سے مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کے بعد ہندوستان کے تخریبی عناصر جموں میں قیامت بپا کر رہے تھے اور ہری سنگھ کے ڈوگرے کشمیر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلمانوں کو تباہ و برباد کر رہے تھے، ماؤنٹ بیٹن آف برما ٹس سے مس نہ ہُوا۔

کشمیر کے راجہ اور اس کے پیارے ماؤنٹ بیٹن کو اس وقت کشمیر کی رعایا کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کا خیال نہ آیا جب جموں سے چھینی ہوئی مسلمان لڑکیاں مشرقی پنجاب کے شہروں میں فروخت ہو رہی تھیں لیکن کشمیر کو ہندوستان کی جھولی میں ڈالنے اور ایک ظالم اور وحشی حکمران کے اقتدار کے ڈگمگاتے ہوئے محل کو سہارا دینے کے لیے ماؤنٹ بیٹن کے پاس فوج تھی، ٹینک تھے اور ہوائی جہاز بھی تھے ـــــ ولایت کا سفید دیوتا اپنے کالے پجاریوں سے اپنے بدترین مقاصد کو بہترین الفاظ میں چھپانے کے ڈھنگ سیکھ چکا تھا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے غالباً دنیا کی رائے عامہ کو مطمئن کرنے کے لیے یہ بھی اعلان کیا کہ جب کشمیر کے حالات پُرامن ہو جائیں گے تو الحاق کے بارے میں کشمیر کے عوام سے

استصواب رائے کیا جائے گا ـــــ لیکن یہ حقیقت بھی ماؤنٹ بیٹن سے زیادہ کسی پر واضح نہ تھی کہ ڈوگرے، سکھ اور سیوا سنگھی ہندوستانی افواج کے ٹینکوں توپوں اور طیاروں کی مدد سے استصواب رائے کے سلسلہ میں ہندوستان کی پریشانیاں دور کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے مُردے ووٹ نہیں دیا کرتے

سلیم کئی ہفتوں سے لاپتہ تھا۔ لاہور سے اس کی روانگی کے بعد عصمت نے امینہ کو خط لکھ کر اس کی خیریت دریافت کی اور امینہ نے جواب میں لکھا کہ سلیم نے یہاں پہنچنے سے تین دن بعد اخبار میں اپنے کسی دوست کے متعلق یہ اعلان پڑھا کہ وہ مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے قصور میں اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں پہنچ چکا ہے۔ اگلے دن وہ میرے اصرار کے باوجود قصور چلا گیا۔ پندرہ دن بعد ارشد کو سلیم کا مکتوب ملا جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں قصور کے کیمپ میں رضاکاروں کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔ یہاں مجھے اپنے ماموں کے گاؤں کے چند آدمی ملے ہیں، اُن کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ ماموں جان اپنے خاندان کے ساتھ بہاولپور پہنچ گئے ہیں۔ اس لیے میں اب وہاں جا رہا ہوں۔ انشاء اللہ وہاں سے سیدھا لاہور آؤں گا۔

اس کے بعد کئی دن تک سلیم کا کوئی خط نہیں آیا اور عصمت کی پریشانی تشویش میں تبدیل ہونے لگی۔ ڈاکٹر شوکت اس کا مغموم چہرہ دیکھتا اور ہر بار اُسے یہ کہہ کر تسلی دیتا: "بیٹی! مہاجرین کے کیمپوں کی بُری حالت ہے۔ ان حالات میں سلیم جیسے آدمی کو کیسے چین آسکتا ہے۔ وہ بہاولپور کے کیمپوں میں کام کر رہا ہو گا۔ ایسے آدمیوں کی ہر جگہ ضرورت ہے۔"

عصمت کبھی کبھی زخمی اور مریض عورتوں اور بچوں کی تیمارداری کے لیے اپنے باپ کے ساتھ کیمپ میں جایا کرتی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کام میں اس کی دلچسپی بڑھتی گئی اور اس نے باقاعدہ کیمپ میں کام کرنا شروع کر دیا۔

کیمپوں میں ہیضے کی روک تھام اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا مسئلہ ایک نازک صورت اختیار

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کر چکا تھا اور کام کی وسعت کے مقابلے میں سند یافتہ ڈاکٹروں کی کمی کے باعث تھوڑا بہت طبی علم رکھنے والے رضا کاروں کو بھی غنیمت سمجھا جاتا تھا۔

جہاد کشمیر شروع ہونے کے چند دن بعد ارشد لاہور سے تبدیل ہو کر راولپنڈی چلا گیا۔ رخصت کے وقت عصمت نے جھجکتے ہوئے اس سے کہا: "بھائی جان! مجھے یقین ہے کہ وہ کشمیر چلے گئے ہیں۔ شاید راولپنڈی سے آپ کو ان کا پتہ مل جائے۔"

ارشد نے کہا: "عصمت! میں کئی دن سے سوچ رہا تھا۔ اگر سلیم وہاں ہے تو راولپنڈی سے اس کا پتہ لگانا میرے لیے کوئی مشکل نہیں ہوگا۔ میں انشاء اللہ تمھیں بہت جلد اطلاع دوں گا۔"

عصمت نے ہچکچاتے ہوئے کہا "بھائی جان ....!"

"کہو عصمت! کیا بات ہے؟"

"بھائی جان! کشمیر میں زخمی ہونے والے مجاہدین کو نرسوں کی ضرورت ہوگی؟"

"ہاں عصمت! وہاں نرسوں کی بہت کمی ہے ـــــ کیا تم وہاں .....؟"

"ہاں بھائی جان! میں وہاں جانا چاہتی ہوں۔"

ارشد نے کہا: "بہت اچھا عصمت! میں راولپنڈی پہنچنے کے بعد تمھیں خط لکھوں گا۔"

ایک روز عصمت دن بھر کیمپ میں کام کرنے کے بعد گھر پہنچی تو راحت اسے دیکھتے ہی چلا اٹھی۔ "آپا جان! آپا جان!! بھائی سلیم کا خط آیا ہے۔ وہ کشمیر میں ہیں۔" راحت بھاگ کر اپنے کمرے سے خط لے آئی۔

ایک ثانیہ کے لیے عصمت بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ اس کی قوتِ گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں خاموش تھیں۔ کائنات پر ایک سکوت طاری ہو چکا تھا۔ اس کا ایک پاؤں نیچے اور ایک پاؤں برآمدے کی سیڑھی پر تھا۔ "اُن کا خط؟" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا اور پھر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ "سلیم کا خط؟" اس کی خاموش کائنات کے ہر ذرّے سے نغمے پھوٹنے لگے۔ وہ فضا میں نغموں کی ہلکی ہلکی گونج سُننے لگی ـــ

درخت جھوم رہے تھے، پھول کھل رہے تھے، کلیاں مسکرا رہی تھیں۔ اس کی دُنیا قوسِ قزح کی رنگینیوں سے لبریز تھی ـــــ "سلیم کا خط؟" وقت کی ٹوٹی ہوئی کڑیوں میں پھر ایک بار ربط پیدا ہو رہا تھا ـــــ وہ خط لے کر برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی ـــ راحت کہہ رہی تھی "آپا جان! میں نے ایڈریس سے ان کی تحریر پہچان کر آپ کی اجازت کے بغیر لفافہ کھول لیا تھا۔"

"راحت تمھیں میری اجازت کی ضرورت نہ تھی۔" یہ کہتے ہوئے عصمت خط پڑھنے میں منہمک ہو گئی۔ سلیم نے لکھا تھا:

"میری عصمت!

میں تمھیں کشمیر کے محاذ سے یہ خط لکھ رہا ہوں۔ میں قصور سے ملتان جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ کشمیر پر ہندوستان کے حملے کی خبر آئی اور میں نے جہاد میں حصہ لینے کی نیت سے ملتان جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ میرا ارادہ تھا کہ کشمیر جانے سے پہلے لاہور پہنچ کر ایک دن تمھارے ہاں قیام کروں لیکن لاہور کے پلیٹ فارم پر مجھے آفتاب مل گیا ـــ آفتاب میرے ساتھ کالج میں پڑھا کرتا تھا۔ وہ تیس رضا کاروں کے سالار کی حیثیت میں کشمیر جا رہا تھا اور ان رضا کاروں میں پانچ نوجوان میرے ہم جماعت تھے۔ لوگ ان مجاہدوں کے گلے میں ہار ڈال رہے تھے۔

آفتاب اور باقی دوست میرے گرد جمع ہو گئے۔ آفتاب نے پوچھا "تم کہاں جا رہے ہو سلیم؟" اور میں نے جواب دیا کہ میری منزل بھی وہی ہے، اور آفتاب نے اپنے گلے سے ہار اُتار کر میرے گلے میں ڈال دیے اور اس کی دیکھا دیکھی چند اور آدمیوں نے بھی میرے گلے میں ہار ڈال دیے۔ جب گاڑی چلنے میں دس منٹ تھے، وہ ڈبے میں بیٹھ گئے۔ میں کچھ دیر دروازے کے سامنے کھڑا رہا۔ میں آفتاب سے کہنا چاہتا تھا کہ اگلے دن راولپنڈی میں ان سے آن ملوں گا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لیکن میں کچھ نہ کہہ سکا۔ آفتاب نے کہا: "اندر آجاؤ سلیم! گاڑی چلنے والی ہے" اور میں تذبذب کی حالت میں ایک پاؤں پائیدان پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ لوگ پلیٹ فارم پر کھڑے غازیانِ کشمیر زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ ایک برقعہ پوش خاتون آگے بڑھی اور اس نے میرے گلے میں ہار ڈال دیا۔ پھر ایک عمر رسیدہ بزرگ نے آگے بڑھ کر کہا: "غازیوں کی فتح کی دُعا مانگو۔" لوگوں نے ہاتھ اُٹھائے اور میں نے بھی ہاتھ اُٹھائے۔ گاڑی نے سیٹی بجائی اور میں آفتاب کے ساتھ بیٹھ گیا۔

اب میں کشمیر میں ہوں۔ میرا مقام یہی تھا۔ مشرقی پنجاب میں جو کچھ میں نے سیکھا تھا، وہ میرے کام آرہا ہے۔ گزشتہ تین ماہ سے میں آزاد کشمیر کی فوج کے ان چھاپہ مار دستوں کے ساتھ تھا جو ہندوستانی فوج کے عقب میں پہنچ چکے تھے۔ ان دستوں میں زیادہ تعداد سرحدی قبائل کے مجاہدین کی تھی۔ ہمارا سپہ سالار محسود قبیلے کا ایک نوجوان تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر میں یہ محسوس کرتا تھا کہ میری قوم میں زندگی ہے۔ یہ لوگ سینے پر گولی کھا کر مسکراتے ہیں۔ یہ موت کو ایک کھیل سمجھتے ہیں یہ دشمن کی توپوں اور ہوائی جہازوں سے مرعوب نہیں ہوتے ـــــ برفانی پہاڑوں میں خون منجمد کر دینے والی سرد ہوائیں انھیں پریشان نہیں کرتیں۔ ان میں سے اکثر ایسے تھے جن کے پاس دیسی رائفلیں تھیں اور بعض دشمن کے ہاتھوں سے رائفلیں چھین لینے کی امید میں صرف چاقو اور چھرے لے کر چلے آئے تھے۔

ایک دن پچاس مجاہدوں کا ایک نیا گروہ ہمارے پاس پہنچا۔ یہ سلیمان خیل پٹھان تھے جو پنجاب کے شہروں میں محنت مزدوری سے پیٹ پالا کرتے تھے۔ اب یہ لوگ جہادِ کشمیر میں حصہ لینے کے لیے آئے تھے۔ ان میں سے

بعض کے پاس چاقو تھے اور بعض کے پاس وہ بھی نہ تھے۔ میں نے ایک نوجوان سے جو ان کا لیڈر تھا، سوال کیا: "بھائی! رائفلوں کے بغیر تم کیا کرو گے؟" اس نے کہا: "تم پروا نہیں کرو۔ اگر ہمارے پاس ہتھیار نہیں تو دشمن کے پاس بہت ہے۔" رات کو انھوں نے ہمارے سالار سے بیس رائفلیں اُدھار لیں اور پندرہ میل دُور ایک ہندوستانی چوکی پر حملہ کر دیا۔ علی الصباح جب وہ واپس آئے تو ان کے پاس اسّی رائفلیں اور تین مشین گنیں اور بارود اور سامانِ رسد سے لدے ہوئے دس خچر تھے۔ اس مہم میں ان مجاہدوں میں سے بارہ شہید ہو چکے تھے۔ اگلے دن جب ہم نے وہاں جا کر دیکھا تو سکھوں اور ڈوگروں کی ساٹھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں لیکن پٹیل اور نہرو کے سپاہی جس قدر بُزدل ہیں، اسی قدر ظالم ہیں۔ چوکی سے جو سکھ اور ڈوگرے جانیں بچا کر بھاگے تھے، انھوں نے جاتے جاتے تین میل دُور مسلمانوں کی ایک بستی کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔

قبائلی مجاہدین دنیا کے بہترین نشانہ باز ہیں۔ میری آنکھوں کے سامنے انھوں نے رائفلوں سے ہندوستان کے تین ہوائی جہاز گرائے تھے ـــــ دوسرے محاذوں پر بھی وہ ہندوستان کے کئی طیارے گرا چکے ہیں اور اب یہ حالت ہے کہ ہندوستانی ہوا باز ہمارے فوجی ٹھکانوں کی بجائے صرف دیہات اور شہروں پر حملہ کرتے ہیں۔

میں مجاہدوں کے ساتھ بہت خوش تھا۔ ان کے درمیان مجھے کبھی اپنی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا تھا۔ میں خطرناک سے خطرناک مہم پر ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار رہتا تھا۔ ہمارا کام ہندوستانی فوج کے رسد و کمک کے راستوں کو کاٹنا اور دشمن کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اپنی طرف

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

متوجہ رکھنا تھا۔ ہمارا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ تھا۔ اگر دشمن کے کنوائے کی آمد کی خبر ملتی تو ہم کسی گھاٹی میں چھپ کر اچانک اس پر حملہ کر دیتے۔ اگر فوج کی پیشقدمی کی اطلاع ملتی تو ہمیں راستے کے پُلوں کو اُڑانے کے لیے جانا پڑتا۔ ان حالات میں اگر میں نے تمھیں خط نہیں لکھا تو تمھیں شکایت نہیں ہونی چاہیے۔

اب میں ایک اہم چوکی کی حفاظت پر متعین ہوں۔ یہ چوکی نو ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ یہاں ہندوستانی فوج کی توپیں اور مشین گنیں نصب تھیں۔ جنوری کے آخری ہفتے میں ہمیں جنرل طارق کا حکم آیا تھا کہ اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر اس چوکی پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اس مہم کی قیادت کے لیے انھوں نے ایک کیپٹن کو بھیج دیا تھا۔ یہ کیپٹن ضلع میانوالی کا ایک سابق فوجی تھا۔ جو برما اور ملایا کے محاذوں پر لڑ چکا تھا۔ کیپٹن نے ہم سے کہا کہ اس مہم کے لیے مجھے چالیس ایسے رضاکاروں کی ضرورت ہے جو فتح سے زیادہ شہادت کی تمنا رکھتے ہوں۔"

بہت سے آدمیوں نے اپنے نام پیش کیے لیکن کپتان نے صرف چالیس آدمیوں کو منتخب کیا اور میں بھی ان میں سے ایک تھا۔ ہم نے برف کے طوفان میں رات کے دو بجے اس چوکی پر حملہ کیا لیکن دشمن غافل نہ تھا ہم پہاڑ کی چوٹی سے ایک ہزار فٹ نیچے تھے کہ دشمن نے گولہ باری شروع کر دی۔ پانچ بجے تک ہم رینگتے ہوئے چوٹی کے قریب پہنچ چکے تھے لیکن اس دوران میں ہمارے پندرہ ساتھی شہید ہو چکے تھے، چھ بجے کے قریب ہم ان کی تین توپوں اور دو مشین گنوں پر قبضہ کر چکے تھے۔ دوسری مشین گن پر دستی بم پھینکنے کے بعد ہمارا کپتان گر پڑا اور ہمیں معلوم ہوا کہ وہ تین گولیاں کھا چکا ہے۔ ہم نے ابھی دم نہیں لیا تھا کہ پہاڑی کی اگلی چوٹی سے، جو

اس چوکی سے کوئی سو فٹ بلند تھی۔ مشین گن اور مارٹر کے فائر ہونے لگے اور ہمارے سات اور ساتھی شہید ہو گئے ـــــ دم توڑتا ہوا کپتان چلایا: "اگر تم نے سورج کی روشنی سے پہلے اس چوٹی پر قبضہ نہ کیا تو ہماری قربانی رائگاں جائے گی۔" ہم نے تین اطراف سے اس چوٹی پر چڑھنا شروع کیا۔ میرے آگے ایک آفریدی مجاہد تھا۔ اس نے چوٹی پر پہنچتے ہی بھاگ کر مشین گن کے مورچے پر دستی بم پھینکنے کی کوشش کی لیکن گولیوں کی بوچھاڑ آئی اور وہ گر پڑا۔ دوسری طرف سے ہمارے دو اور ساتھی اوپر پہنچ گئے اور پتھروں کی آڑ میں لیٹ کر فائر کرنے لگے۔ جب دشمن مشین گن کا رُخ اس طرف پھیر رہا تھا، میں نے آگے بڑھ کر دستی بم پھینک دیا ـــــ چوٹی پر قبضہ کرنے کے بعد میں بھاگتا ہوا نیچے پہنچا اور کپتان کو بتایا کہ ہم نے چوٹی پر قبضہ کر لیا ہے۔ کپتان نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا: "اب تمھیں ہر قیمت پر اس چوٹی کی حفاظت کرنی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا ـــــ دس منٹ بعد یہ مجاہد آخری سانس لے چکا تھا۔ اس چوکی سے ہمیں چار وہ بدنصیب لڑکیاں ملیں جنھیں نہرو کے سپاہی وادی کشمیر سے اُٹھا لائے تھے۔ ان کی زبانی ہمیں معلوم ہوا کہ ان سے پہلے پانچ اور لڑکیاں وہاں لائی گئی تھیں۔ تین سکھوں اور ڈوگروں کی درندگی کا شکار ہوئیں اور دو نے پہاڑی پر سے کود کر جان دے دی۔ ان کی لاشیں برف میں دفن تھیں۔ یہ اس فوج کے سپاہیوں کا معمولی کارنامہ ہے جسے ماؤنٹ بیٹن، گاندھی، نہرو اور پٹیل نے کشمیر کے عوام کے جان و مال، عزت اور آزادی کی حفاظت کے لیے بھیجا ہے۔

تیسرے دن اس محاذ پر آزاد کشمیر کی فوج کو ایک بہت بڑی فتح

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

حاصل ہوئی۔ جنرل طارق بذاتِ خود اس حملے کی قیادت کر رہے تھے۔ فتح کے بعد وہ ہماری چوکی کا معائنہ کرنے آئے اور مجھے ایک غیر معین عرصے کے لیے اس چوکی کی حفاظت پر متعین کر کے چلے گئے۔

اب میں یہاں ہوں۔ برف باری زوروں پر ہے۔ موسم بہار سے پہلے اس جگہ دشمن کے حملے کا کوئی امکان نہیں۔ راستے بند ہیں اور ہندوستانی فوج عام طور پر کسی مورچے پر ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے بغیر حملہ نہیں کرتی۔ کبھی کبھی دشمن کا ہوائی جہاز آجاتا ہے اور آس پاس اندھا دھند بم پھینک کر چلا جاتا ہے۔ آج تک جو بم اس چوکی سے نزدیک ترین گرا ہے وہ ہم سے دو فرلانگ دور ہے۔ ہم ایک ہوائی جہاز گرا چکے ہیں۔

پہلے جب میں گوریلا دستوں کے ساتھ تھا تو مجھے خط لکھنے کی فرصت نہ تھی۔ اب مجھے وقت ملتا ہے تو خط لکھ کر بھیجنے کی کوئی صورت نہیں۔ آج ہمارے پاس چند سپاہی رسد لے کر پہنچے ہیں اور میں یہ مکتوب ان کے حوالے کر رہا ہوں۔ میرے پاس تمہارا خط پہنچنے کی سردست کوئی صورت نہیں۔ تم آزاد کشمیر ریڈیو کی معرفت اپنے گھر کی خیریت کی اطلاع دے سکتی ہو۔ ہندوستانی سپاہی ہماری چوکی میں ایک بیٹری سیٹ ریڈیو بھی چھوڑ گئے ہیں اور ہم ہر شام خبریں اور فوجی پروگرام سنا کرتے ہیں۔

فرصت کے لمحات گزارنے کے لیے میں نے ایک مضمون لکھنا شروع کر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ مضمون ایک چھوٹی سی کتاب بن جائے۔ "اے قوم!" اس مضمون کا عنوان ہے۔ لاہور سے آتے ہوئے گاڑی پر آفتاب نے میری زبانی مشرقی پنجاب کے واقعات سننے کے بعد اس بات پر زور دیا تھا کہ میں قوم کے نام ایک پیغام لکھوں۔ آفتاب نے اس مضمون کو چھپوا کر مفت تقسیم

کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ انشاء اللہ یہ چھوٹی سی کتاب بہت جلد تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔

خط بہت طویل ہو گیا ہے لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں نے ابھی تک کچھ نہیں لکھا لیکن سپاہی جانے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

عصمت! ہندوستان کا ہاتھی کشمیر کی دلدل میں پھنس چکا ہے۔ دعا کیا کرو کہ میں تمہارے پاس فتح کی خوش خبری لے کر آؤں۔

تمہارا سلیم"

مشرقی پنجاب اور ہندوستان میں شامل ہونے والی ریاستوں میں مسلمانوں کا صفایا ہو چکا تھا۔ بھارت سے اسی لاکھ انسان ہجرت کر کے پاکستان پہنچ چکے تھے۔ اب گاندھی مہاراج دلی میں بیٹھ کر عدم تشدد کا درس دے رہے تھے اور ان کے چیلے باقی ہندوستان میں مسلمانوں کو آگ اور خون کا پیغام سنا رہے تھے۔

جونا گڑھ پاکستان میں شامل ہو چکا تھا۔ وہاں کا حکمران مسلمان تھا لیکن رعایا کی اکثریت ہندو تھی اس لیے وہاں ہندوستانی فوج بھیج دی گئی۔ کشمیر کی نوے فیصدی رعایا مسلمان تھی لیکن راجہ ہندو تھا' اس لیے وہاں بھی ہندوستان کی فوج بھیج دی گئی ـــــ ہندوستان کے حکمران بھی ہندو تھے، اکثریت بھی ان کی تھی' اس لیے وہاں مسلم اقلیت کا مسئلہ اکال سینا اور راشٹریہ سیوک سنگھ کو سونپ دیا گیا تھا۔

پٹیل کے منہ سے آگ برس رہی تھی۔ وہ ایک دن کسی شہر میں تقریر کرتا اور اگلے دن خبر آجاتی کہ وہاں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو چکا ہے۔ جواہر لال نہرو کشمیر میں اپنی افواج کے شاندار کارناموں پر فخر کر رہا تھا اور گاندھی جی دنیا کو عدم تشدد کی راگنی سنا رہے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایک ہی ساز سے کئی سُر نکل رہے تھے۔ دیش بھگت مہاتما گاندھی کی پُوجا کرتے۔ مہ ہرو کی عزت کرتے تھے اور پٹیل کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ آل انڈیا ریڈیو امن کے لیے گاندھی کی اپیلیں، فساد کے لیے پٹیل کی تقریریں اور جنگ کے سلسلے میں مہامنتری نہرو اور رکھشا منتری بلدیو سنگھ کے بیانات نشر کرتا تھا۔

گاندھی جی ابھی تک ہندو فاشزم کے جارحانہ مقاصد کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہے تھے انھیں دنیا کی رائے عامہ کے سامنے ننگا ہونا پسند نہ تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ کشمیر کی جنگ میں نہرو کا پروگرام اب دنوں سے ہفتوں اور ہفتوں سے مہینوں میں تبدیل ہو رہا ہے۔ گاندھی نے سرحد کے شیروں کو پہلے چرخے کے منتر سے رام کیا تھا، اس کے بعد جب چرخے کا طلسم ٹوٹا تو واردھا کے سامری نے پاکستان میں نسلیت کا بُت کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ سرحد میں ان کے چیلے نے پٹھانستان کا نعرہ لگایا اور چند دنوں میں یہ نعرہ ایک خطرناک صورت اختیار کر چکا تھا۔ گاندھی کے "مسلمان" چیلے جو اکھنڈ ہندوستان میں ہندو اکثریت کی غلامی کا طوق پہننے کے لیے بیقرار تھے، اب پٹھانوں کو پاکستان سے علیحدگی کا مشورہ دے رہے تھے۔ طوفان سے پہلے "آزاد خیال" انسانوں کا یہ گروہ دس کروڑ مسلمانوں کو متحدہ قومیت کے رشتے سے باندھ کر ہندو فاشزم کی بھینٹ چڑھانا چاہتا تھا اور طوفان کے بعد یہ لوگ پاکستان کی چٹان کو نسلیت کے تیشوں سے پاش پاش کرنے کی فکر میں تھے۔

لیکن یہ سازش کامیاب نہ ہوئی۔ کشمیر کی جنگ کفر و اسلام کی جنگ میں تبدیل ہو گئی اور جب اسلام کی تلوار بے نیام ہوتی ہے تو سب سے پہلے نسلیت کے بُت ٹوٹتے ہیں۔ واردھا کے سامری کا نیا بُت کشمیر کی اس شاہراہ میں روندا گیا جہاں سرحدی قبائل، پنجابی، بلوچستانی اور سندھی مجاہدین ایک دوسرے سے کندھا ملائے آگے بڑھ رہے تھے۔

مہاتما گاندھی جنھوں نے ساری عمر ہندوؤں کو متحد کرنے اور مسلمانوں میں انتشار ڈالنے کے لیے جدوجہد کی تھی، اس صورتِ حالات سے پریشان تھے۔ وہ کشمیر میں فوجی اقدام سے

پہلے پاکستان میں پٹھان اور غیر پٹھان کی تفریق ضروری سمجھتے تھے لیکن چیلوں کی جلد بازی نے ان کا بنا بنایا کھیل بگاڑ ڈالا تھا۔ اب پٹھان کشمیر کی جنگ میں پیش پیش تھا۔ اب عالمِ اسلام میں اضطراب کی لہر دوڑ رہی تھی۔ اب کشمیر کے متعلق وہ مقاصد ننگے ہو رہے تھے جن کی تکمیل کے لیے دہلی سے لے کر گورداسپور تک مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہائی گئی تھیں۔

گاندھی جی زہر آلود خنجر پھولوں کی ٹوکری میں چھپانے کے قائل تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے چیلوں کا جوش و خروش اور ان کی جنگ جویانہ تقریریں مسلمانوں کی قوتِ مدافعت کو بیدار کر رہی ہیں، اس لیے وہ قاتلوں کے منہ سے بھی ٹھنڈے اور میٹھے الفاظ سننا چاہتے تھے۔ انھیں سانپ کے ڈسنے کا ملال نہ تھا لیکن سانپ کا پھنکارنا پسند نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ پھنکارنے والا سانپ بالآخر مارا جاتا ہے۔ چنانچہ مشرقی پنجاب اور ریاستوں میں مسلمانوں کی مکمل تباہی اور دہلی سے لاکھوں مسلمانوں کی ہجرت کے بعد وہ برلا مندر میں امن شانتی اور عدمِ تشدد کا درس دے رہے تھے۔

انھوں نے دنیا کی رائے عامہ کو مطمئن کرنے کے لیے مرن برت بھی رکھا تھا لیکن ہندو قوم کے وہ تخریبی عناصر جنھیں گزشتہ برسوں میں اسلام دشمنی کے محاذ پر متحد اور منظم کیا گیا تھا، جنھوں نے پندرہ اگست کے بعد پوری آزادی کے ساتھ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی تھی، اب کسی ظاہری یا رسمی رکاوٹ کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ ایک دن خبر آئی کہ کسی سیوک سنگھ نے مہاتما جی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

ایک سپیرے نے ایک خوفناک اژدہا پالا تھا۔ شہر کے لوگ اس کے قریب جانے سے ڈرتے تھے۔ لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے سپیرا اژدہا کو شہر کے چوراہوں میں لے جاتا اور اپنی ٹانگیں اژدہا کے منہ میں ڈال کر لوگوں سے کہتا: "تم یونہی اس سے خوف کھاتے ہو۔ دیکھو وہ مجھے کچھ نہیں کہتا، میں اسے رام کر چکا ہوں، میں اس کی فطرت بدل

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

چکا ہوں۔"

آہستہ آہستہ لوگوں کا خوف جاتا رہا۔ اس کے بعد سپیرا رات کے وقت اژدہے کو کھلا چھوڑ دیتا اور وہ جھونپڑی کے آس پاس بھولے بھٹکے مسافروں کو نگلنے کے بعد واپس آ جاتا۔ اژدہے کی جرأت بڑھتی گئی اور وہ کبھی کبھی لوگوں کے گھروں میں گھس کر بھی اپنا شکار مار لیتا تھا۔ بالآخر شہر کے لوگوں کو پتہ چل گیا اور انھوں نے سپیرے سے شکایت کی۔ رائے عامہ کو مطمئن کرنے کے لیے سپیرے نے پھر ایک بار تماشائیوں کے سامنے اپنی ٹانگیں اژدہا کے منہ میں ڈال دیں لیکن اژدہا اب انسان کے گوشت اور خون کا ذائقہ چکھ چکا تھا اور سپیرے کا گوشت دوسرے انسانوں سے مختلف نہ تھا، وہ لوگوں کے دیکھتے دیکھتے سپیرے کو نگل گیا۔

مہاتما گاندھی کا انجام اس سپیرے سے مختلف نہ تھا۔ گاندھی جی دہشت اور بربریت کے سیلاب کے بند ٹوٹ جانے کے بعد سرکش لہروں کے سامنے کھڑے ہو کر انھیں ضبط و نظم کی تعلیم دے رہے تھے، ایک لہر آئی اور انھیں بھی اپنے ساتھ بہا لے گئی۔

موسم بہار کی ایک صبح عصمت اور راحت راولپنڈی میں سڑک کے کنارے ایک مکان کے پھاٹک میں کھڑی کشمیر جانے والے مجاہدین کو دیکھ رہی تھیں۔ لوگ سڑک کے کنارے اللہ اکبر اور مجاہدینِ کشمیر زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ یہ لوگ مختلف مقامات سے کشمیر، پاکستان اور عالمِ اسلام کی طرف سے پٹیل اور نہرو کو جواب دینے آئے تھے، یہ لوگ اپنی دیسی رائفلوں سے دشمن کے ٹینکوں، طیاروں اور توپوں کا مقابلہ کرنے آئے تھے۔ عصمت اور راحت ان بجلیوں کو دیکھ رہی تھیں جنھیں مشرقی پنجاب کی راکھ نے جنم دیا تھا۔

مجاہدین کا لشکر گزر گیا اور عصمت آبدیدہ ہو کر کہہ رہی تھی: "میرے بھائیو! بڑھے چلو۔ خدا تمھیں محمودؒ غزنوی کا عزم اور محمدؒ بن قاسم کی غیرت عطا کرے۔ تمھیں کشمیر میں بیگناہوں کا خون پکار رہا ہے۔ تمھیں مشرقی پنجاب کی مساجد بلا رہی ہیں۔ تمھیں لال قلعے کی دیواریں یاد

کر رہی ہیں۔ میری قوم کے بیٹو! تمھیں قوم بیٹیوں کی لٹی ہوئی عصمت کا واسطہ بڑھے چلو!"

ایک تانگہ مکان کے سامنے رکا اور ڈاکٹر شوکت اتر کر جھڑے کا ایک بیگ لیے پھاٹک کی طرف بڑھے۔

"ابا جان! ابا جان!" راحت اور عصمت نے یک زبان ہو کر کہا۔

ڈاکٹر شوکت صحن میں داخل ہوئے۔ راحت نے ان کے ہاتھ سے بیگ پکڑ لیا اور قدرے حیران ہو کر کہا "ابا جان! یہ بہت بھاری ہے۔ کیا ہے اس میں؟"

ڈاکٹر نے جواب دیا: "بیٹی! میں اس میں تمھاری بہن کے لیے ایک تحفہ لایا ہوں۔"

عصمت نے کہا: "کیا ہے ابا جان؟"

"ٹھہرو آپا جان! میں کھولتی ہوں۔" راحت یہ کہتے ہوئے بیگ زمین پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔ بیگ میں ہاتھ ڈال کر اس نے ایک کتاب نکالتے ہوئے کہا: "یہ تو سب کتابیں ہیں!"

کتاب کے سرورق پر جلی حروف میں "اے قوم!" لکھا ہوا تھا۔ عصمت نے دیکھتے ہی راحت کے ہاتھ سے کتاب چھین لی۔ ڈاکٹر نے کہا: "سلیم کا ایک دوست لاہور میں یہ کتابیں چھپوانے کے لیے آیا تھا۔ پچھلے ہفتے وہ مجھے پچاس جلدیں دے گیا تھا۔ کچھ میں نے تقسیم کر دی ہیں اور باقی تمھارے لیے لے آیا ہوں، انھیں تقسیم کر دو۔ پچھلے ہفتے سلیم کا خط آیا تھا، وہ میں نے تمھیں بھیج دیا تھا۔"

"جی ہاں! وہ مجھے مل گیا ہے۔"

"ارشد کہاں ہے؟"

"جی! وہ آج بہت سویرے ہسپتال چلے گئے تھے۔"

راحت نے کہا: "ابا جان! چلیں اندر بیٹھیں۔"

"نہیں بیٹی! میں اب جا رہا ہوں۔"

"کہاں ابا جان؟" عصمت نے حیران ہو کر سوال کیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"بیٹی! میں پانچ ڈاکٹروں کے ساتھ کشمیر کے محاذ پر جا رہا ہوں۔ لاہور کے چند تاجروں نے ہمیں دو ایمبولنس گاڑیاں اور دس ہزار روپے کی دوائیں خرید کر دی ہیں۔ ہمیں شام سے پہلے روانہ ہونا ہے۔ میرے ساتھی سٹیشن کے قریب میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ اب میں کسی بڑی خدمت کے قابل نہیں رہا لیکن سلیم کی اس تحریر نے مجھے پھر جوان بنا دیا ہے۔ میں اس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"

ڈاکٹر شوکت انھیں خدا حافظ کہہ کر دوبارہ ٹانگے میں بیٹھ گئے۔

عصمت کتاب کے صفحات الٹ پلٹ کر دیکھتی ہوئی کمرے میں پہنچ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور شروع سے پڑھنے لگی۔ دوسرے کمرے میں راحت ذرا بلند آواز سے پڑھ رہی تھی۔ عصمت نے اسے آواز دی: "راحت! آہستہ پڑھو۔"

راحت چند منٹ خاموش رہی لیکن پھر اسی طرح بلند آواز میں پڑھنے لگی۔ عصمت نے اسے پھر ٹوکا۔ راحت نے کمرے سے ایک کرسی اٹھائی اور صحن میں ایک درخت کے نیچے جا بیٹھی۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں پندرہ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کے واقعات پر تبصرہ تھا۔ دوسرے حصے میں مصنف نے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کے چشم دید حالات بیان کیے تھے اور آخری حصے میں قوم کے نام سلیم کا پیغام تھا۔ وہ پیغام یہ تھا:

"اے قوم! تو نے تاریخ انسانی کا سب سے تاریک دور دیکھا ہے۔ دنیا میں ظالم اور مظلوم کی داستان بہت پرانی ہے۔ انسانیت کے خرمن پر کئی بجلیاں گری ہیں۔ باغ آدم میں کئی آندھیاں آئی ہیں۔ وحشت اور بربریت کے ہاتھوں نے بارہا انسانیت کا منہ نوچا ہے لیکن آگ اور خون کا جو کھیل تو نے دیکھا ہے، وہ کسی اور نے نہیں دیکھا۔

تیرا ادیب اور تیرا شاعر تجھے دلکش افسانے اور میٹھے راگ سنانے کے لیے آیا تھا۔۔۔ لیکن تو خاک اور خون میں لوٹ رہی تھی۔ وہ تیری محفل میں کلیوں کی مسکراہٹوں اور قمریوں کے

ترانوں کا طلب گار تھا لیکن اس کے سامنے خون کی ندیاں، راکھ کے انبار اور لاشوں کے ڈھیر تھے۔ وہ تیرے قدموں پر ستاروں کی مسکراہٹیں، قوس قزح کے رنگ اور روئے زمین کی تمام دلفریبیاں اور رعنائیاں نچھاور کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے سامنے لٹی ہوئی عصمتیں تھیں۔

اے قوم! میں تیرے لیے مشرقی پنجاب سے آگ کی چنگاریاں لے کر آیا ہوں جو تیرے بچوں کو جلا چکی ہے ـــــ میں تیرے لیے ان کی پھٹی ہوئی قباؤں کے ٹکڑے لے کر آیا ہوں جو تیری بیٹیوں کی عصمت کے خون سے داغدار ہیں۔ میں تجھے دلکش نغمے نہیں بلکہ وہ جگر دوز چیخیں سنانے آیا ہوں جو اب تک دہلی اور مشرقی پنجاب کی فضاؤں میں گونج رہی ہیں۔ میں تیرے ساتھ آگ سے کھیل چکا ہوں۔ خون میں نہا چکا ہوں۔ میرا ماضی اور حال تیرے ماضی اور حال سے وابستہ ہے اور میرا مستقبل تیرے مستقبل سے جدا نہیں۔ تیرے لیے میرا پیغام اس ادیب اور شاعر کا پیغام نہیں جو اپنی محفل کی تاریکیوں سے گھبرا کر منہ پھیر لیتا ہے اور غیروں کے عشرت خانوں میں سکون تلاش کرتا ہے۔ میں تیرے ساتھ گراؤں اور تیرے ساتھ اٹھوں گا۔

میں تلخ حقائق پر تصورات کے حسین پردے نہیں ڈالوں گا۔ دہلی سے لے کر مشرقی پنجاب کے آخری کونے تک ہمارے شہر برباد کیے گئے، ہماری بستیاں تباہ کی گئیں۔ ہمارے گھر جلائے گئے۔ معصوم بچوں کو نیزوں پر اچھالا گیا، لاکھوں انسان قتل ہوئے، ہزاروں عورتیں چھینی گئیں، وہ زمین جس پر ہم نے آٹھ صدیاں اپنی سطوت اور اقبال کے پرچم لہرائے تھے، ہماری بے گور و کفن لاشیں دیکھ رہی تھی۔ وہ آسمان جس نے غازی محمد بن قاسم کی غیرت کے سامنے راجہ داہر کو سرنگوں دیکھا تھا، جس نے محمود غزنوی اور غوری کا جاہ و جلال دیکھا تھا، ہماری ذلت، رسوائی اور بے بسی کا تماشہ کر رہا تھا۔ لیکن کیا یہ سب کچھ بلاوجہ تھا؟ کیا یہ اتفاقی حادثہ تھا؟

نہیں۔ یہ بلاوجہ نہ تھا۔ یہ اتفاقی حادثہ نہ تھا۔ قانون قدرت میں اقوام کے عروج و زوال کی راہیں متعین ہیں۔ عزت اور سربلندی ان کے لیے ہے جو فلاح و ترقی کے راستوں پر گامزن ہوتے ہیں اور جو پستی کا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ بالآخر ذلت کے گڑھوں میں گر جاتے ہیں ـــــ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

قانونِ قدرت میں کسی قوم کا اجتماعی عمل رائگاں نہیں جاتا ـــــ مشرقی پنجاب کی تباہی اور بربادی ہماری اپنی کوتاہیوں، غلط اندیشیوں اور غلط کاریوں کی سزا تھی۔ ہم نے بھیڑوں کی زندگی اختیار کی اور بھیڑیوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔ ہماری کوتاہی اور خود فریبی کے باعث ایک ایسے دشمن کی تلوار ہماری شاہ رگ تک پہنچ چکی تھی جس کے مذہب اور اخلاق میں کمزور کے لیے رحم یا انصاف کی گنجائش نہ تھی۔ ہمارا دشمن وہ تھا جسے منوجی جیسے اُستادوں نے ملک گیری کے آداب سکھائے تھے ـــــ ہمارا دشمن وہ تھا جس نے دنیا میں سب سے پہلے نسلیت کا بُت کھڑا کیا تھا۔ جس نے کمزور انسانوں کو مغلوب کر کے اچھوت بنایا تھا اور ان کے خون اور ہڈیوں پر اپنے سماج کی بنیادیں کھڑی کی تھیں ـــــ صدیوں کے بعد انسانیت کا یہ دشمن ماضی کے کھنڈروں میں ایک نئے سماج کی بنیادیں کھود رہا تھا اور ان بنیادوں کو پُر کرنے کے لیے اس نے مسلمان کا خون اور ہڈیاں منتخب کی تھیں۔ ہندو کے نئے اتحاد اور تنظیم کی بنیاد اسلام دشمنی کے جذبہ پر رکھی گئی تھی۔ ہم سب کچھ دیکھ رہے تھے لیکن ہم ماضی سے بے نیاز، حال سے غافل اور مستقبل سے بے پروا تھے۔

ہمیں مورچہ بنانے کی اس وقت فکر ہوئی جب دشمن گولہ باری شروع کر چکا تھا ـــــ ہمیں بند لگانے کا اس وقت خیال آیا، جب سیلاب آ چکا تھا۔

ہم دن کے وقت سو رہے تھے، دشمن آیا، اس نے ہمیں رسیوں میں جکڑ دیا اور ہمارے سر پر تلوار لے کر کھڑا ہو گیا ـــــ ہم بے بس تھے ـــــ ہم مجبور تھے ـــــ ہم احتجاج کر رہے تھے۔ ہم التجائیں کر رہے تھے۔ ہم نے دنیا کی رائے عامہ سے اپیلیں کیں۔ ہم غیر جانب دار مبصرین کو اپنی مظلومیت کا حال دیکھنے کی دعوت دے رہے تھے ـــــ لیکن ہمیں معلوم ہوا کہ جہاں جنگل کا قانون ہو، وہاں فقط شیر کی گرج سُنی جاتی ہے، بھیڑ کی ممیاہٹ پر کوئی کان نہیں

دھرتا۔

دردمندانِ قوم قراردادوں، احتجاجوں اور بیانوں کے نسخے آزما رہے تھے ـــــ بہار میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تو انھوں نے احتجاج کیا۔ گڑھ مکھتیشر کی باری آئی تو انھوں نے سخت احتجاج کیا ـــــ پنجاب کی ریاستوں اور دہلی میں تباہی اور بربادی کا طوفان پھوٹ نکلا تو انھوں نے الفاظ کے تمام خزانے لٹا دیے ـــــ احتجاج کرنے والوں کے گلے بیٹھ گئے، الفاظ کے ذخیرے ختم ہو گئے، لیکن تباہی اور بربادی کے طوفان کی رفتار کم نہ ہوئی۔

ہمارے پاس الفاظ کی کمی نہ تھی۔ ہمارے پاس بین الاقوامی شہرت کے مقرر تھے لیکن ٹریجیڈی یہ تھی کہ پاکستان کا اسلحہ ماؤنٹ بیٹن کے پاس امانت تھا۔ ٹریجیڈی یہ تھی کہ پاکستان کی افواج باہر تھیں اور سب سے بڑی ٹریجیڈی یہ تھی کہ انگریز کی سیاست انسانیت کے سب سے بڑے دشمن کو دہلی کے تخت پر بٹھا چکی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اے قوم! ہم بددیانتی اور بے انصافی کا شکار ہوئے اور اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ ہماری کمزوری اور بے بسی نے ہمیں اُن عدالتوں کے فیصلوں کے سامنے سر جھکانے پر مجبور کر دیا جن سے عدل و انصاف کی امید رکھنا ایک خود فریبی تھی۔

ہم نے کفر کو اسلام کا دوست سمجھ کر صدیوں کے تاریخی حقائق کو جھٹلایا تھا۔ ماضی کی تاریخ شاہد ہے۔ کہ غیر اسلامی نظام میں عدل و انصاف کی کرسیوں پر بیٹھنے والوں نے ہمیشہ مظلوم کے آنسوؤں سے ظالم کے قہقہوں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کا سامان مہیا کیا ہے۔ عدل و انصاف صرف ان کے لیے ہے ـــــ جو بے انصافیوں کے خلاف لڑنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

اے قوم! تیرے درد کا علاج بین المملکتی کانفرنسوں میں نہیں۔ تیرا دشمن حالات کے مطابق اپنا طریق کار بدلتا رہتا ہے لیکن اس کے مقاصد میں تبدیلی نہیں آتی ـــــ وہ ہندوستان کی تقسیم پر رضامند نہ تھا لیکن جب اس نے محسوس کیا کہ ماؤنٹ بیٹن اس کی کشتی میں بیٹھ چکا ہے اور اس کا طریق کار بالآخر تقسیم کے حقیقی مقصد کو فوت کر دے گا تو اس نے تقسیم کا اصول مان لیا اور تو خوش ہو گئی کہ تجھے کسی قربانی کے بغیر پاکستان مل گیا ہے۔ دشمن نے اپنے ترکش کا نیا تیر نکالا اور دہلی سے مشرقی پنجاب کے آخری کونے تک قتل و غارت کا طوفان بپا کر دیا اور اس کے ساتھ ریڈکلف ایوارڈ کا خنجر تیرے سینے میں گھونپ دیا گیا۔ تیرے سپاہی باہر تھے، تیرا اسلحہ ہندوستان میں روک لیا گیا تھا اور تیرے وہ ہاتھ جو مدافعت کے لیے اٹھ سکتے تھے، پہلے ہی باندھ دیے گئے تھے۔ ان حالات میں تیرے لیے تاریخ انسانی کی سب سے بڑی بے انصافی اور ظلم کے سامنے سر جھکا دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور پھر تجھے امید تھی کہ ریڈکلف کا فیصلہ مان لینے کے بعد تیرا دشمن تیری امن پسندی اور نیک نیتی پر خوش ہو جائے گا لیکن یہ ایک اور خود فریبی تھی۔ تو یہ سمجھتی تھی کہ مشرقی پنجاب کا طوفان وہیں رک جائے گا لیکن یہ طوفان دہلی میں پہنچ گیا اور پھر امن پسندوں کا ایک گروہ یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلیاں دے رہا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ کا کوئی امکان نہیں۔ یہ دونوں کے لیے خودکشی کے مترادف ہوگا ـــــ لیکن ہندوستان نے دوسرا قدم اٹھایا اور کشمیر پر حملہ کر دیا ـــــ تو دنیا کی رائے عامہ کے سامنے

دشمن کے ظلم و استبداد اور اپنی صلح جوئی اور امن پسندی کا ڈھنڈورا پیٹ رہی تھی کہ ہندوستان کی فوجیں جوناگڈھ میں داخل ہو گئیں۔

اے قوم! تیرے فرزانے دنیا کی رائے عامہ سے اپیلیں کر رہے تھے۔ کشمیر کے مسلمانوں کی آزادی پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالا جا رہا تھا۔ لیکن امن عالم کے اجارہ دار خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ بالآخر تیرے دیوانوں کو ہوش آیا۔ مظلومیت، بے بسی اور مجبوری کی انتہا دیکھنے کے بعد تیری ڈوبتی ہوئی نبضوں میں زندگی کا خون دوڑنے لگا۔ تیرے شاہین صفت جوانوں نے تیری پکار سنی۔ تیرے محمد بن قاسم تیری بیٹیوں کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسوؤں کی تاب نہ لا سکے۔ ہندوستان میں سومنات کے نئے پجاریوں نے تیرے فرزندوں میں پھر ایک بار غزنوی کی روح بیدار کی ـــــ اور کشمیر کی وادیوں میں تیرے شیروں کی گرج سنائی دینے لگی۔ تیرے فرزانے ابھی ساحل سے محو تماشا تھے کہ تیرے دیوانے بے خطر دریا میں کود پڑے اور موجوں سے کھیلتے ہوئے منجدھار تک جا پہنچے۔

نہرو کی افواج چھ دن کے اندر اندر مجاہدین کی قوت مدافعت کچل دینے کے عزائم سے میدان میں آئی تھیں لیکن وہ تلواریں جن کی تیزی مشرقی پنجاب میں نہتے اور بے بس انسانوں کی گردن پر آزمائی گئی تھی، کشمیر میں کند ثابت ہو رہی تھیں۔

پٹیل، نہرو اور بلدیو ہر روز یہ اعلان کرتے تھے "شاباش بہادرو! بھارت ماتا کو تم پر فخر ہے۔" لیکن بھارت ماتا کے قابل فخر بیٹے حیران تھے کہ ان کے سامنے نہتوں کو کیوں نہیں ڈالا گیا۔ ہندوستانی حکومت پاکستان سے شکایت کر رہی تھی کہ اس نے قبائلی اور سرحدی رضاکاروں کو سرحد پر کیوں نہیں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

روکا۔ کوٹلی، میرپور اور اکھنور میں ہندوستانی فوج کے دانت کھٹے ہو چکے تھے۔ اوڑی اور پونچھ کے محاذوں پر ہندوستانی فوج اپنی تعداد اور اسلحہ کی برتری کے باوجود مار کھا رہی تھی۔ مجاہدین کی بے سروسامان فوج اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اسلحہ چھین چکی تھی۔ اقبالؒ کی روح کشمیر کی وادیوں اور پہاڑیوں میں غازیوں کا خیر مقدم کر رہی تھی اور ہندوستان کے مہاجن بہی کھاتے کھول کر اپنے نقصانات کا اندازہ لگا رہے تھے۔

سرحدی عقاب جموں سے صرف چند میل دور تھے کشمیر کے طارق اور خالد پھر ایک بار اپنے اسلاف کی روایات زندہ کر رہے تھے۔ اب سنگینوں کے جواب میں احتجاج کی بجائے تلواریں تھیں۔ اب ہندوستان یو۔این۔او کے سامنے فریاد کر رہا تھا۔

جب پاکستان کہتا تھا کہ کشمیر کا معاملہ بین الاقوامی عدالت کو سونپ دیا جائے تو ہندوستان پاکستان کی آواز پر کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھا لیکن اب وہ سات سمندر پار جا کر یو۔این۔او کے سامنے فریاد کر رہا تھا ——— بھیڑیئے کو یہ شکایت تھی کہ اُسے مشرقی پنجاب، دہلی اور جوناگڈھ کی طرح کشمیر میں بھی بھارت ماتا کی آزادی کا جشن منانے کی اجازت کیوں نہیں دی گئی ——— بھیڑیوں کا نمائندہ امن عالم کے اجارہ داروں سے اپیل کر رہا تھا کہ تم پاکستان کو حکم دو کہ وہ آزاد کشمیر کی فوج کو ہماری شکارگاہ سے نکال دے۔ تم کشمیر کے پینتیس لاکھ مسلمانوں کو جکڑ کر ہمارے سامنے ڈال دو اور پھر ہمارے ہاتھ دیکھو۔

آج کشمیر کا مسئلہ سکیورٹی کونسل کے سامنے ہے۔ پاکستان کی وکالت اس کے بہترین دماغ کر رہے ہیں۔ ہندوستان دنیا کی رائے عامہ کے سامنے

ننگا کھڑا ہے، لیکن ہمیں غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ یو۔این۔او میں امن عالم کے اجارہ دار ہمارے ساتھ اسی صورت میں انصاف کریں گے، جب کہ ہم میں بے انصافیوں کے خلاف لڑنے کی ہمت اور طاقت ہوگی۔ آج اگر یو۔این۔او میں ہندوستان کے ساتھ پاکستان کی آواز بھی سُنی جا رہی ہے تو ہمیں اُن مجاہدوں کا شکر گذار ہونا چاہیے جنھوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر دنیا کے سامنے کشمیر کے مسئلے کی اہمیت واضح کر دی ہے، جنھوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ ہندوستان جو بین الاقوامی دھڑے بندیوں کے باعث جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کی راہنمائی کے خواب دیکھ رہا تھا، کشمیر کی دلدل میں پھنس چکا ہے ——— لیکن ابھی کشمیر کی جنگ ختم نہیں ہوئی اور ہمیں اس خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ ہندوستان نے کشمیر کے منصفانہ حل کے لیے بین الاقوامی انجمن کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے۔ ہندوستان نے مجبوری کی حالت میں فقط اپنا طریق کار بدلا ہے۔ گزشتہ نقصانات کے بعد اسے کشمیر پر فیصلہ کن حملے کے لیے تیاری کی ضرورت تھی ——— کشمیر کی برف باری اور سردی نے اس کے سپاہیوں کے حوصلے ٹھنڈے کر دیئے تھے۔

سردیوں میں ہندوستانی فوج سامان رسد اور بارود کے ذخیرے جمع کر رہی تھی۔ نئے پل اور نئی سڑکیں تعمیر کر رہی تھی اور موسم بہار کے آغاز کے ساتھ ہی ہندوستان اپنی پوری طاقت کے ساتھ نیا حملہ کر چکا ہے۔ جوناگڈھ کو ہڑپ کرنے کے بعد اسے یقین ہو چکا ہے کہ امن عالم کے اجارہ دار اُن فیصلوں کو رد نہیں کر سکتے جو طاقت کے بل بوتے پر منوائے جاتے ہیں۔

پاکستان کو بالآخر کشمیر کی جنگ میں کودنا پڑے گا۔ مجاہدین کشمیر تیاری کے لیے جو تھوڑا بہت موقع دے رہے ہیں، پاکستان کو اس سے فائدہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اُٹھانا چاہیے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی مظلومیت اور بے بسی کا ڈھنڈورا پیٹ کر یو۔این۔او کو کشمیر کے معاملہ میں عملی مداخلت پر مجبور کر دیں گے، انھیں فلسطین سے سبق حاصل کرنا چاہیے ـــــ فلسطین میں امن عام کے اجارہ داروں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کمزور اقوام کو ان سے عدل و انصاف یا رحم کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے ـــــ عرب ممالک فلسطین پر یہود کی یلغار کے سامنے مضبوط محاذ نہ بنا سکے نتیجہ یہ ہوا کہ سکیورٹی کونسل نے بھی تقسیم فلسطین کی حمایت کی ـــــ اینگلو امریکن بلاک کی یہود نوازی کے بعد دنیا کا خیال تھا کہ روس اس ناانصافی کی مخالفت کرے گا لیکن یہ پہلا فیصلہ تھا جس پر کمیونسٹ اور سرمایہ دار دونوں متفق تھے۔ ایک اجنبی قوم کو مسلمانوں کے گھروں میں لا کر بٹھا دیا گیا۔

فلسطین کے مسلمانوں کا جرم یہ نہ تھا کہ ان کی منطق کمزور تھی، جرم یہ تھا کہ وہ اپنے گھر کی حفاظت نہ کر سکے۔ ان کے پاس وہ تلوار نہ تھی جو غیر منصفانہ فیصلے کو رد کر سکتی۔

حالات اب پاکستان کو مفروضات کی دنیا میں رہنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کشمیر پر ہندوستان کے نئے حملے کی شدت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اسے بھی جوناگڈھ کی طرح ایک فیصلہ شدہ امر بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے ـــــ اور تلوار کا فیصلہ منطق سے نہیں، صرف تلوار سے رد کیا جا سکتا ہے ـــــ مجاہدین نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود جس عزم و استقلال کا ثبوت دیا ہے، اس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کشمیر کی جنگ پاکستان کی جنگ ہے۔ یہ صرف کشمیر کے پینتیس لاکھ

مسلمانوں کا نہیں بلکہ پوری قوم کی بقا کا مسئلہ ہے، یہ ہندوستان کے برصغیر میں کفر اور اسلام کا آخری معرکہ ہے اس اجتماعی جنگ کی ذمہ داری صرف کشمیر کے مٹھی بھر بے سروسامان مجاہدین پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ ہمیں مجاہدوں کے بازو شل ہو جانے اور ان کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ تک بہ جانے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ آزاد کشمیر کی رائفلیں ایک لامتناہی عرصہ تک دشمن کے ٹینکوں اور طیاروں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں ـــــ کشمیر پاکستان کی بیرونی فصیل ہے، اگر دشمن کی یلغار کو وہاں نہ روکا گیا تو وہ کشمیر کو ختم کرنے کے بعد پاکستان پر حملہ کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔"

ہندوستان نے دہلی اور مشرقی پنجاب سے لاکھوں مسلمانوں کو ملک بدر کیا۔ تو وہ مغربی پاکستان آ گئے۔ بہار اور مغربی بنگال کے مسلمان مشرقی پاکستان میں پناہ لے رہے ہیں۔ ہندوستان نے جوناگڈھ پر چڑھائی کی تو وہاں سے مسلمانوں کے قافلے کراچی اور سندھ پہنچنے لگے۔ کشمیر میں ہندوستانی فوج داخل ہوئی تو کشمیری مہاجرین کے لیے مغربی پنجاب اور صوبۂ سرحد میں کیمپ کھل گئے ـــــ پاکستان مہاجرین کی جائے پناہ ہے، پاکستان انصار کا قلعہ ہے پاکستان وہ ساحل ہے۔ جہاں ہم خون کے دریا عبور کرنے کے بعد پہنچے ہیں۔ پاکستان وہ منزل ہے جس کے راستوں کی کھائیاں ہم نے اپنی لاشوں سے پاٹی ہیں ـــــ پاکستان وہ درخت ہے جسے ہم نے اپنے خون اور آنسوؤں سے سینچا ہے ـــــ پاکستان وہ چار دیواری ہے۔ جس کے اندر قوم کی منتشر قوتیں جمع ہو رہی ہیں اور پاکستان کے انصار اور مہاجرین کے لیے یہ سوچنے کیلئے بہت تھوڑا وقت ہے کہ اگر وہ کفر کے سیلاب کو اس چار دیواری سے دور نہ رکھ سکے تو اس کا انجام کیا ہو گا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اب تلخ حقائق پر تصورات کے حسین پردے ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب قوم کا دل بہلانے کے لیے لیڈروں کا یہ نعرہ کافی نہیں کہ ہم نے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست قائم کر لی ہے، بلکہ اب انھیں قوم کی آنکھیں کھولنی چاہئیں کہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست انسانیت کے سب سے بڑے دشمن کا سامنا کر رہی ہے۔ یہ اس قوم کی میراث ہے، جس کے اسلاف نے آٹھ صدیاں پشاور سے لے کر راس کماری تک اپنی سطوت اور اقبال کے پرچم لہرائے ہیں —— یہ دورِ زوال کی دو صدیوں میں رجعتِ قہقری کے بعد ہمارا آخری دفاعی مورچہ ہے —— یہ ہماری اُجڑی ہوئی محفل کا آخری چراغ ہے —— یہ ہمارے خزاں رسیدہ چمن کا آخری درخت ہے —— اور اب دشمن اس درخت کی جڑیں کاٹنے اور اس چراغ کو بجھانے کی فکر میں ہے —— ہم اپنی تاریخ کے بھیانک ترین حوادث کا سامنا کر رہے ہیں اور ان حوادث کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں دفاع پر مرکوز کر دیں۔ پاکستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو اپنی بقا کی جنگ میں ایک متحدہ محاذ پر لانے کے لیے وہ تمام خامیاں دور کرنی پڑیں گی جو غریب کو امیر سے دور رکھتی ہیں۔ جو محنت کش اور سرمایہ دار کی متحدہ مساعی میں مانع ہیں۔ مرمریں ایوانوں اور جھونپڑوں میں رہنے والوں کو ایک ہی خندق اور ایک ہی مورچے میں کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان طبقاتی اختلافات کو دور کریں جو اقتصادی وسائل کی غیر مساوی تقسیم کے باعث پیدا ہو چکے ہیں۔

اب ہم اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں سے پیچھے ہٹنا ہمارے لیے تباہ کن ہوگا۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم محاصرے کی صورت میں ہیں اور اگر دشمن کو کشمیر پر قابض ہونے کی اجازت دی گئی تو یہ گھیرا اور تنگ ہو جائے گا۔ جو قوم صرف

اپنے مورچے میں بیٹھ کر مدافعانہ طریقِ کار پر عمل کرتی ہے اور آگے بڑھ کر دشمن کے جارحانہ اقدام کو نہیں روکتی۔ ہمیشہ نقصان اٹھاتی ہے، جنگ میں صرف دشمن کا وار روکنے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی ہر ضرب کے جواب میں ضرب لگائی جاتی ہے۔

ہندو کانگرس کے ساتھ بقا کی جنگ میں گزشتہ چند برس سے ہمارا طریقِ کار یہ تھا کہ وہ ہر بار موقع ملنے پر وار کرتا رہا اور ہم روکنے پر اکتفا کرتے رہے۔ ہمارے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان ہماری پیش قدمی کا نقطۂ آغاز بننے کی بجائے ہماری پسپائی کا آخری نقطہ بن گیا —— صلح اور امن کی خاطر ہم اتنا کچھ کھو کر بھی ہندو کے نقطۂ نظر میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکے، اور اب گزشتہ تجربات کے باوجود بھی اگر ہم خوش فہمیوں اور غلط اندیشیوں کا شکار ہوئے تو ہماری حالت ان لوگوں سے مختلف نہ ہوگی جو دن کی روشنی میں بھی آنکھیں بند کر کے چلتے ہیں، اور اب ہمیں اس بات کا انتظار نہیں کرنا چاہیے کہ ہندو اپنے ترکش سے نیا تیر نکال لے۔ بلکہ ہمیں اپنے ترکش کے تیروں کا جائزہ لینا چاہیے۔

"اے قوم! مشرقی پنجاب میں جو کچھ ہوا، وہ فرقہ وارانہ فساد کا نتیجہ نہ تھا۔ تاریخِ انسانی کے اس عظیم ترین قتلِ عام کے لیے فرقہ وارانہ فساد کا لفظ پروپیگنڈا کے فن کے ان استادوں کے دماغ کی اختراع ہے، جنھوں نے دنیا کی نگاہوں کے سامنے اہنسا پرمو دھرما کا نقاب ڈال کر بدترین بھیڑیوں کی فوج تیار کی تھی۔ مشرقی پنجاب، دہلی، بھرت پور، الور، پٹیالہ، فرید کوٹ، نابھہ اور کپورتھلہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے اسٹیج پر جو خونیں ڈرامہ کھیلا گیا، اسے فرقہ وارانہ فساد سے کوئی نسبت نہ تھی۔ یہ وہ قتل عام تھا جس کی سرپرستی اور رہنمائی بھارت کی حکومت، بھارت کی فوج اور پولیس اور بھارت میں شامل ہونے والی ریاستوں کے حکمران کر رہے تھے۔ نہرو اور پٹیل سے لے کر ایک سیوا سنگھی اور بلدیو سنگھ سے لے کر ایک اکالی رضاکار تک سب مسلمانوں کے قتل عام میں شریک تھے ـــــ یہ قتل عام ہندوستان سے مسلمانوں کے مکمل استیصال کے منصوبے کی ایک کڑی تھی۔

لیکن پاکستان میں ابھی تک ایسے لوگ ہیں جو ہر حالت میں پٹیل اور نہرو کی قباؤں سے خون کے داغ دھونا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اس قوم کو پھر ایک بار تھپکیاں دے کر سلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

تقسیم سے پہلے جب کانگرس مسلمانوں پر آخری ضرب لگانے کے لیے ہندو اور سکھ قوم کے تخریبی عناصر کو منظم کر رہی تھی تو غلط اندیش لوگوں کا ایک گروہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر لوریاں دیا کرتا تھا کہ ہندو مسلم بھائی بھائی ہیں، مسلمانوں کو ہندوؤں کے ارادوں کے متعلق شک نہیں کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم رجعت پسندی ہے، تنگ نظری ہے، گاندھی بڑا اچھا آدمی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہیں ـــ تقسیم کے بعد ان لوگوں کی جگہ ادیبوں اور شاعروں کا ایک گروہ میدان میں آگیا ہے۔ اب یہ لوگ ہندو فاشزم کی صفائی پیش کر رہے ہیں۔ ان کا تقاضا یہ ہے کہ اوّل تو مشرقی پنجاب کے عبرت ناک واقعات کا ذکر نہ کیا جائے، اگر کیا بھی جائے تو پچاس فیصدی ذمہ داری ہندوؤں اور سکھوں پر ڈال دی جائے اور پچاس فیصدی مسلمانوں پر اور یہ اس لیے کہ مسلمان مشرقی پنجاب کے بھیانک واقعات سے عبرت

حاصل کر کے ہندو فاشزم کے سیلاب کے مقابلہ میں اپنی اجتماعی قوت بروئے کار نہ لا سکیں۔ ہندوستان جوناگڑھ کو ہڑپ کر چکا ہے۔ کشمیر کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے اور ہندوستان سے مسلمانوں کے مکمل استیصال کے منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بعد پاکستان پر آخری ضرب لگانا چاہتا ہے۔

ان ادیبوں اور شاعروں کے لیے مسلمان کی عزت اور آبرو، جان اور مال کا کوئی مسئلہ نہیں۔ دس پندرہ لاکھ انسانوں کا قتل بھی ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ـــــ قوم کی ہزاروں چھینی ہوئی بہو بیٹیوں کا مسئلہ ان کے لیے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ یہ سیاسی، روحانی اور اخلاقی قیم ادب کے نام سے کوکین کی تجارت کرتے ہیں اور پاکستان کے بعض ادارے صرف ہندوستان میں چند کتابیں بیچنے کے لیے ان کوکین فروشوں کی سرپرستی کر رہے ہیں۔

اجتماعی آلام و مصائب کا سامنا کرنے کے لیے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے اور اجتماعی جدوجہد اجتماعی شعور، اجتماعی فکر اور اجتماعی کردار کے بغیر ممکن نہیں۔ مشرقی پنجاب کی تباہی کے بعد پاکستانی مسلمان یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر ہم ہندو فاشزم کی یلغار کے سامنے اپنی اجتماعی قوت بروئے کار نہ لا سکے تو پاکستان کی سرزمین پر بھی مشرقی پنجاب، دہلی اور جوناگڑھ کی تاریخ دہرائی جائے گی ـــــ اجتماعی خطرے کا احساس قوم کے نوجوانوں کو کشمیر کے میدان میں لے آیا ہے۔ یہاں وہ جنگ لڑی جا رہی ہے جس پر کشمیر کے پینتیس لاکھ مسلمانوں کے علاوہ پاکستان کے آٹھ کروڑ باشندوں کی زندگی کا دارومدار ہے، یہاں انسانیت اور عالم اسلام کے لیے سب سے بڑے خطرے کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ صرف اس خطۂ زمین کا مسئلہ نہیں جو جغرافیائی طور پر پاکستان کا حصہ ہے۔ جس کی وادیوں میں پاکستان کی زندگی کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

چشمے پھوٹتے ہیں بلکہ یہ ایک پوری قوم کی بقا، آزادی اور عزت کا مسئلہ ہے۔ یہ آگ اور خون کے اس ڈرامے کا ایک سین ہے۔ جس کا آخری ایکٹ ماؤنٹ بیٹن، نہرو اور پٹیل پاکستان کے سٹیج پر کھیلنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں قوم کے سپاہی کی تلوار اور قوم کے ادیب کے قلم کا راستہ ایک ہے۔ متحدہ قومیت کے مارفیا کا انجکشن دینے والے سیاست دانوں کی جماعت قوم کو اس وقت تھپکیاں دے کر سلایا کرتی تھی جب افق پر طوفان کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ لیکن کوکین فروش قسم کے ادیبوں اور شاعروں کی یہ جماعت طوفان کی تباہ کاریوں کے سامنے بھی قوم کی آنکھوں پر پٹی باندھ رہی ہے۔ ان کے سیاسی پیش رو اونگھتے ہوئے مسلمان کو خواب آور گولیاں کھلاتے تھے اور یہ جاگتے ہوئے مسلمان کے حلق میں کوکین ٹھونس رہے ہیں۔ ان کے لیے مسلمانوں کی آزادی کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہ تھا اور اب ان کے اذہان کی نئی قدروں اور نئے زاویوں میں مسلمانوں کی زندگی اور موت کی کوئی حقیقت نہیں۔

نقالوں کے اس گروہ کو تقسیم سے پہلے بھی مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بلکہ ان کا نصب العین ان اخلاقی اور روحانی قدروں کی تخریب تھا جن پر دین اسلام کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کے لیے تمام کفر ایک ہو چکا تھا۔ ظلمت کے طوفان اپنی پوری تندی اور تیزی کے ساتھ پاکستان کا محاصرہ کر رہے تھے۔ حالات نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ بھی ایک ہو جائیں اور ایک بار پھر توحید کی مشعل بلند کر کے اس طوفان کے سامنے کھڑے ہو جائیں لیکن یہ لوگ محسوس کر رہے ہیں کہ پاکستان کی جو قوت مدافعت اسلام کے نام پر بیدار ہو گی وہ اپنے حصار کی بنیاد بھی اسلام کی روحانی اور اخلاقی قدروں پر رکھے گی اور پاکستان

میں ایسے ادیب کے لیے کوئی جگہ نہیں رہے گی۔ جس کا مقصد صنفی انارکی، اخلاقی بے راہ روی اور ذہنی انتشار پھیلانے کے سوا کچھ نہیں۔ اس لیے یہ لوگ نئے عزائم، نئی امنگوں اور نئے ولولوں کے ساتھ میدان میں آئے ہیں اور یہ عزائم، یہ امنگیں اور ولولے زیادہ تر پاکستانی مسلمانوں کی ان لوگوں پر کوکین کی مالش کرنے تک محدود ہیں جن پر فسطائیت اپنے خنجر کی تیزی آزما رہی ہے، تاکہ خنجر اپنا کام کر جائے۔ لیکن مسلمان کو یہ محسوس نہ ہو کہ رگیں کٹ چکی ہیں اور خون بہ رہا ہے۔

ہندوستان کی بربریت کی صفائی پیش کر کے مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے علاوہ ان حضرات کے سامنے باقی مسائل اہل پاکستان کے پیٹ سے متعلق ہیں۔ کچھ عرصہ سے انھیں پاکستان کے عوام اور مزدور کی غربت اور بدحالی پریشان کر رہی ہے۔ پاکستان کے عوام اور مزدور کا مسئلہ یقیناً نہایت اہم ہے اور ہم اسے حل کیے بغیر فلاح و ترقی کی منازل کی طرف گامزن نہیں ہو سکتے۔ لیکن پاکستان کے عوام اور مزدور اپنے ان کرم فرماؤں سے پوچھتے ہیں "کیا ہمیں ہندوستانی بھیڑیوں سے اپنے بچوں اور اپنی بہو بیٹیوں کی جانیں بچانے کا کوئی حق نہیں؟ جب مشرقی پنجاب میں مسلم عوام اور مسلم مزدوروں کا قتل عام ہو رہا تھا، تم کہاں تھے؟ ـــــ آج تمھارے سینوں میں ہمارے پیٹ کی بھوک کا درد اٹھا ہے لیکن جب اکال سینا اور راشٹریہ سیوک سنگھ کی تلواریں ہماری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بچوں کی گردنیں کاٹ رہی تھیں، تمھاری حمیت کہاں گئی تھی؟ تمھاری آنکھوں کے سامنے لاکھوں انسان قتل ہوئے، عصمتیں لٹیں، عورتوں کو چھینا گیا اور تم نے انسان کے سب سے بڑے دشمن کی صفائی پیش کرنے کے لیے صرف یہ کہہ کر قصہ ختم کر دیا کہ یہ فرقہ وارانہ

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

فرد تھا ـــــ آج ہندوستان کے ہوائی جہاز کشمیر کے مزدوروں کی بستیوں پر بم برسا رہے ہیں لیکن تم ٹس سے مس نہیں ہوئے کیا یہ بھی فرقہ وارانہ فساد ہے؟ کشمیر میں ہماری بقا کی جنگ لڑی جا رہی ہے لیکن تم اس سے منہ پھیر کر پاکستان کے اندر طبقاتی جنگ چاہتے ہو۔ کہیں تمھارا مقصد ہماری مشکلات حل کرنے کی بجائے ہمارے دشمنوں کی مشکلات حل کرنا تو نہیں؟

ادیبوں اور شاعروں کا دوسرا گروہ وہ ہے جن کی انگلیں اور ولولے پاکستان کے ساتھ وابستہ ہیں لیکن ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو ابھی تک زلفوں کے پیچ و خم سے آزاد نہیں ہوئے۔ جب انگریز لال قلعہ کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے، دہلی کے شعراء کی محفلوں میں کوچۂ جاناں کی بھول بھلیوں کا رونا رویا جا رہا تھا۔ آج مسلمانوں کا انگریز سے کہیں زیادہ خطرناک دشمن پاکستان کو محاصرے میں لینے کی کوشش کر رہا ہے لیکن ہمارے شعراء کے دم خم وہی ہیں جو پہلے تھے۔

ادیبوں کا وہ طبقہ جو حقائق کے بھیانک چہرے پر تصورات کے حسین پردے نہیں ڈالنا چاہتا، اب اس پر بہت بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ آج قوم کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ اگر وہ مشرقی پنجاب کے قتلِ عام کے بعد بھی عبرت حاصل نہ کر سکی تو قدرت کے قانون میں اس کے لیے رحم کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔

قوم کے ادیب! تیرے سامنے راکھ کے ڈھیر ہیں۔ تیرا شعلہ نوائی ان میں بجلیاں پیدا کر سکتی ہے۔ مشرقی پنجاب اور دہلی کے شہیدوں کا خون، خاک میں جذب نہ ہونے دینا۔ تو اس کی روشنائی سے وہ تحریر لکھ سکتا ہے۔ جو قوم کے جوانوں میں نئی زندگی، نئی روح اور نئی تڑپ بیدار کر دے۔

اے قوم! ہمیں آزادی اور بقا کی جنگ کے لیے عوام کو مجاہدانہ کردار اور سیرت کے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ قوم میں احساس موجود ہے۔ پاکستان کے عوام اپنی عزت اور آزادی کی بقا کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔ اب یہ کام حکومت کی کشتی کے ناخداؤں کا ہے کہ عوام کے احساس اور عوام کی تڑپ کو ایک ناقابلِ تسخیر قوت میں تبدیل کر دیں۔ اینٹ اور گارا موجود ہے لیکن قلعہ تعمیر کرنا معماروں کا کام ہے ـــــ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر پاکستان کے دفاع کی ضرورت کا احساس حاوی کر دیا جائے۔ کارخانے میں کام کرنے والے مزدور اور کھیت میں ہل چلانے والے کسان کے دل میں اجتماعی حیات کا ولولہ زندہ کر دیا جائے۔ مدارس میں ایسا نصابِ تعلیم رائج کیا جائے جس سے قوم کے بچوں میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی سیرت بیدار ہو ـــــ اُن عناصر کا سدِّباب کیا جائے جو تخریبی اور منفی رجحانات کی تبلیغ کر کے قوم میں ذہنی انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ قوم کے ہر اس فرد کے لیے جو بندوق اٹھا سکتا ہو، فوجی تربیت لازمی قرار دی جائے۔

ہم بہت کچھ کھو چکے ہیں لیکن ایک بہت بڑی دولت ہمارے پاس ہے اور وہ یہ کہ ہمارے عوام کا عزم برقرار ہے۔ تاریخِ انسانی کے بڑے سے بڑے حوادث سے دوچار ہونے کے باوجود ان کے سینوں میں ایمان اور یقین کی مشعلیں روشن ہیں۔ وہ اسلام کے نام پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔ کفر کا سیلاب اُن کے دلوں سے عشقِ رسولؐ کی چنگاریاں نہیں بجھا سکا۔ ان کی بے غرضی، ان کا ایثار،

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ان کا خلوص ہماری سب سے بڑی متاع ہے لیکن پاکستان نے آج تک اس متاع گراں بہا سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔

جس دریا سے کھیتیاں سیراب نہیں کی جاتیں وہ یا تو کسی جھیل یا سمندر میں جا گرتا ہے اور یا کسی ریگستان میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس طاقت کو بروقت قوم کی تعمیر کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا، وہ وقت گزر جانے پر تخریب کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ پاکستان کے عوام میں زندگی ہے، تڑپ ہے، امنگیں ہیں، ولولے ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے طبقۂ اعلیٰ کی بے حسی اور جمود ان پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں کا کام دے رہا ہے۔ ہمارے لیڈروں کے ایک گروہ نے ابھی تک اس بات کا احساس نہیں کیا کہ ان پر ایک ایسی قوم کے بقا کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے جو انسانی تاریخ کے عظیم ترین خطرے کا مقابلہ کر رہی ہے۔ ہمارے سیاست دانوں کی صفوں میں ابھی تک وہ لوگ موجود ہیں جو اپنا حال اور مستقبل عوام کے ساتھ وابستہ کیے بغیر عوام کی لیڈری فرما رہے ہیں۔ مشرقی پنجاب پر مصیبت آئی تو ان میں سے بہت کم ایسے لوگ تھے جنھوں نے عوام کے ساتھ جینا اور مرنا پسند کیا۔ اکثر کی یہ حالت تھی کہ ہوا کے پہلے جھونکے کے ساتھ ہی عوام کو اپنی قیادت کے بوجھ سے آزاد کر کے پاکستان پہنچ گئے۔ وہ جاتے جاتے عوام کو یہ بھی نہ بتا سکے کہ پاکستان کا راستہ اس طرف ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مشرقی پنجاب کے عوام اس طوفان کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہ تھے لیکن جہاں بھی کسی باعمل لیڈر نے ان کی رہنمائی کی تھی انھوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ بعض بستیوں میں ان کی قوتِ مدافعت کچلنے کے لیے دشمن کو ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں استعمال کرنی پڑیں لیکن عام لیڈروں کی یہ حالت تھی کہ ان میں سے بعض پہلے ہی لاہور پہنچ کر وزارتوں اور عہدوں کی کرسیوں کا طواف کر رہے تھے۔ بعض لاہور کو بے رونق سمجھ کر کراچی کے جشن میں حصہ لینے کے لیے چلے گئے تھے اور باقی حضرات کے متعلق لاہور ریڈیو کے اعلانات نشر ہو رہے تھے کہ فلاں لیڈر، فلاں صدر، فلاں سیکرٹری اور فلاں ایم ایل اے

بخیر و عافیت لاہور پہنچ گئے ہیں اور انھوں نے بیان کیا کہ مشرقی پنجاب کی صورت حال تشویشناک ہے۔ ان کے رشتہ داروں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ کوٹھی نمبر فلاں اور فلاں میں ان سے آ ملیں۔

مشرقی پنجاب کے جس علاقے کے لوگ یہ سنتے کہ ان کا لیڈر یا ایم۔ایل۔اے پاکستان پہنچ گیا ہے تو بلا توقف پاکستان کی طرف چل پڑتے۔ قوم کیمپوں میں سسک رہی تھی اور لیڈر حضرات کو یا الاٹ منٹ کے دفتروں میں سرگرداں یا کسی الاٹ شدہ کوٹھی میں محو استراحت دیکھا جاتا تھا۔ مشرقی پنجاب کے لیڈر ہجرت کے بعد مغربی پنجاب میں اپنے بھائی بندوں کے جائے اور مشرقی پنجاب کے عوام کا بوجھ مغربی پنجاب کے عوام کے حصے میں آ گیا۔

مغربی پنجاب کے سامنے مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ تھا لیکن جس کارِ عظیم کے لیے انتہائی بے غرض، بے لوث، ان تھک، محنتی اور تجربہ کار کارکنوں کی ضرورت تھی، وہ انتہائی ناتجربہ کار، تن آسان اور خودغرض لوگوں کو سونپ دیا گیا تھا۔ الاٹ منٹوں میں حق اور ناحق کا سوال نہ تھا۔ اصلی اور نقلی مہاجروں کی کوئی تمیز نہ تھی جن لوگوں کی چھوٹے افسروں تک پہنچ تھی، وہ کوئی چھوٹا سا مکان یا چھوٹی دوکان حاصل کر لیتے تھے۔ جو بڑے افسروں کے دروازوں پر دستک دے سکتے تھے، وہ بڑی الاٹ منٹ حاصل کر لیتے تھے اور جن کی وزیروں کی کوٹھی تک پہنچ تھی، انھیں سب سے بڑی الاٹ منٹ کا حق دار سمجھا جاتا تھا۔ وزیروں کی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک ہی فیکٹری یا کارخانے کے متعلق بیک وقت کئی آدمیوں کے حق میں سفارشی چٹھیاں لکھ دیتے تھے اور متعلقہ افسران چٹھیوں کے احترام میں ایک ہی جائداد کئی آدمیوں کے نام الاٹ کر دیتے تھے۔ اکثر وزراء "سب کو خوش رکھو" کے جمہوری مسلک پر کاربند تھے ——— عملی حیثیت سے ان کا کام کرنا یا نہ کرنا برابر تھا۔

قوم کے جو کارکن غرض کے بندوں کے لیے تازیانہ بن سکتے تھے، ان کے منہ پر ناجائز الاٹ منٹوں کی مہریں ثبت کر دی گئی تھیں۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

قوم کے عوام ہر آزمائش میں پورے اُترے۔ جب ان سے کہا گیا کہ کیمپوں کے بھوکے اور ننگے پناہ گزینوں کو کپڑے اور روٹی کی ضرورت ہے تو انھوں نے اپنے بھائیوں کے تن ڈھانکنے کے لیے اپنے کپڑے اُتار دیے۔ انھیں روٹی مہیا کرنے کے لیے خود بھوکا رہنا گوارا کیا ـــــ مشرقی پنجاب کی حکومت نے نہروں کا پانی بند کر دیا اور ہماری حکومت نے عوام سے نہر کھودنے کی اپیل کی تو عوام بیلچے اٹھا کر دریا کا رُخ بدل دینے کے لیے میدان میں آ گئے لیکن اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے لیڈروں کی یہ حالت تھی کہ جب کیمپوں میں لاکھوں انسان موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا تھے، انھیں مالِ غنیمت سے حصہ وصول کرنے کی فکر تھی۔ الاٹ منٹ کے چشمے سے اپنی کھیتیاں سیراب کر لینے کے بعد وہ اپنے رفقا اور احباب کی کھیتیوں کی طرف متوجہ تھے، جہاں سے انھیں اپنی لیڈری کے لیے ووٹوں کے پھول حاصل کرنے کی امید تھی۔ مہاجرین کے لیڈروں کو کچھ اپنا ہوش نہ تھا۔ پھر جب انھیں الاٹ منٹ کے دھندوں سے فرصت ملی تو ان کے سینوں میں قوم کا درد بیدار ہوا۔

مغربی پنجاب میں بعض ایم۔ ایل۔ اے حضرات کو یہ فکر تھی کہ اگر ان کے انتخابی حلقوں میں مہاجرین گھس آئے تو مستقل لیڈری کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ اس لیے ان کی کوشش یہ تھی کہ ان کے علاقوں میں صرف ان کی برادری کے لوگ آباد ہوں۔ ان حضرات نے طوفان کو ساحل سے دیکھا تھا لیکن مشرقی پنجاب سے جو ایم۔ ایل۔ اے اور لیڈر حضرات خون کے دریا میں تیر کر پاکستان کے ساحل تک پہنچے تھے، ان میں سے بھی بعض ایسے ہیں جن کی ذہنیتوں میں تبدیلی نہیں آئی۔ وہ اس بات سے قطعاً شرمسار نہیں کہ وہ قوم کو آگ اور خون کے طوفان میں چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ وہ قوم کے خرمنِ حیات کی سُلگتی ہوئی چنگاریوں سے بھی اپنی لیڈری کے چراغ جلانے کی فکر میں ہیں۔ قوم ان لوگوں کے لیے وہ گھوڑا ہے جس پر وہ لیڈری کی زین ڈال کر صرف اپنی منازلِ حیات طے کرنا چاہتے ہیں۔ اب

انھیں یہ شکایت ہے کہ ان کے ووٹروں کو مختلف اضلاع میں کیوں آباد کر دیا گیا ہے، ان کی لیڈری کا شیرازہ کیوں منتشر کر دیا گیا ہے۔ اب ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ان کے ووٹروں کو جگہ جگہ سے ہانک کر ان کے گرد جمع کر دیا جائے۔ انھیں اس سے واسطہ نہیں کہ اب تک جو چالیس پچاس لاکھ انسان آباد ہو گئے ہیں انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا کس قدر تباہ کن ہو گا۔ اس فارغ البال طبقہ کی لیڈرشپ کے لیے ہمیشہ اپنی بقا کا مسئلہ قوم کی بقا کے مسئلے سے زیادہ اہم ہے۔

مہاجرین اور انصار کا مسئلہ قوم کا اجتماعی مسئلہ ہے۔ قوم کو ان خود غرض لیڈروں سے خبردار رہنا چاہیے جو اس مسئلہ کو اپنی لیڈری کا مسئلہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ اس اجتماعی آزمائش کے دور میں قوم کے مہاجرین کا صبر و استقلال اور انصار کا ایثار و خلوص ہی ہمیں کامیابیوں اور کامرانیوں کی اس شاہراہ پر ڈال سکتا ہے جہاں بدر و حنین کی فتوحات نے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کا خیر مقدم کیا تھا۔ مشرقی پنجاب میں ہماری ان گنت قربانیاں اس لیے نہ تھیں کہ وہ بوسیدہ اور متعفن لاشیں جنھوں نے آزمائش کے دور میں قوم کو اپنی قیادت کے بوجھ سے آزاد کر دیا تھا اور قوم کی کشتی کے وہ واحد ناخدا جنھوں نے ساحل پر کھڑے ہو کر قوم کی تباہی اور بربادی کا تماشا دیکھا ہے، اب انصار اور مہاجرین کے اختلافات کا مسئلہ کھڑا کر کے پھر ایک بار قوم کے کندھوں پر سوار ہو جائیں۔

ہمارے شہیدوں کے خون کا یہ مطالبہ ہے کہ اس سے کسی خالدؓ اعظم، کسی طارقؒ جانباز اور کسی غزنویؒ بت شکن کی فتوحات کی داستانیں لکھی جائیں۔ اگر پاکستان کی حکومت اور پاکستان کے عوام نے اس قسم کے تن آسان، لُولے، لنگڑے، اپاہج انسانوں کو مہاجرین اور انصار کے اختلافات میں اپنی لیڈری کے لیے گنجائش نکالنے کی اجازت دی تو ان کا ایک گروہ مہاجرین اور دوسرا انصار کے کندھوں پر سوار ہو کر پاکستان کے جمہور کو ہمیشہ کے لیے دو متحارب گروہوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کرے گا ـــــ جن لوگوں نے اس طوفان سے بھی اجتماعی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

حیات کا سبق نہیں سیکھا۔ قوم کو ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے؟

مغربی پاکستان میں ہماری صوبائی سیاست ان شخصیتوں پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے جن کی ساری دوڑ دھوپ عہدوں اور وزارت کی کرسیوں تک پہنچنے کے لیے ہے۔ لیڈروں کا ایک گروپ چوبیس گھنٹے اپنی وزارت بچانے اور دوسرا گروپ وزارت توڑنے کی فکر میں رہتا ہے۔

مغربی پنجاب مغربی پاکستان کے صوبوں میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن یہاں انتشار کی یہ حالت ہے کہ ہر ایم۔ ایل۔ اے وزیر بننے کی فکر میں ہے اور ہر وزیر وزیر اعظم بننے کے لیے بیتاب ہے۔ قومی جماعت مسلم لیگ کی حالت اس سے مختلف نہیں۔ ہر وہ شخص جو فکر معاش سے آزاد ہے، اپنے محلے، اپنے شہر یا اپنے علاقے کی لیگ کا عہدیدار بننے کی فکر میں ہے۔ قوم کی آدھی توجہ وزارت کے اکھاڑے میں دنگل لڑنے والے پہلوانوں اور آدھی مسلم لیگ کے عہدوں کے لیے کبڈی کھیلنے والوں کی طرف مبذول ہے۔

آج مغربی پنجاب کا مسئلہ لاکھوں پناہ گزینوں کو آباد کرنا نہیں، بھوکوں کے لیے خوراک اور ننگوں کے لیے کپڑا مہیا کرنا نہیں۔ دشمن کے جارحانہ ارادوں کے پیش نظر عوام کو منظم اور مسلح کرنا نہیں بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ وزیر کس کو ہونا چاہیے اور اگر فلاں شخص وزیر بن جائے تو فلاں گروپ کیا کرے گا؟ لیڈروں کی فلاں فلاں پارٹیوں کے درمیان کبڈی کا جو میچ ہو رہا ہے اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

پاکستان کی حکومت گزشتہ واقعات کی روشنی میں پاکستان کے جمہور سے شکایت نہیں کر سکتی کہ ان میں اجتماعی زندگی کے لیے تڑپ نہیں۔ حالات نے عوام کو بہت حد تک بیدار کر دیا ہے۔ مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے خونیں حوادث کے بعد وہ اپنے حال اور مستقبل کے خطرات کو گہری نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ اب انھیں بار بار یہ کہہ کر جھنجھوڑنے کی ضرورت نہیں کہ کشمیر میں ہندوستان کا اقدام جارحانہ ہے۔ وہ اس جارحانہ اقدام کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ انھیں منظم اور مسلح کر دیا جائے۔ نہرو اور پٹیل

کا چیلنج صرف پاکستان کی حکومت کے لیے نہیں، یہ ساری قوم کے لیے ہے اور قوم ہی اس کا جواب دے سکتی ہے۔ ہندوستان پاکستان کے خلاف جو فیصلہ کن جنگ لڑنے کی تیاری کر رہا ہے وہ اس برعظیم میں کفر اور اسلام کا آخری معرکہ ہوگا۔ اس جنگ میں پاکستان کی فتح، فرزندان توحید کی آزادی اور بقا کی ضامن ہوگی اور اگر خدانخواستہ ہم اپنے اس آخری دفاعی حصار کو بھی نہ بچا سکے تو ہمیں مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پاکستان کا دفاع ہمارا سب سے بڑا اور سب سے اہم مسئلہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں باقی مسائل نظر انداز کر دینے چاہئیں لیکن جو گھر سیلاب کی زد میں کھڑا ہو اور اس کے مکین یا محافظ سیلاب کے سامنے بند لگانے کی بجائے اپنی ساری توجہ اندرونی صفائی اور آرائش کی طرف مبذول کر دیں تو انھیں کیا کہا جائے گا؟ اور پاکستان کی ابھی یہ حالت ہے کہ ہم تباہیوں اور بربادیوں کے طوفانوں سے گزرنے کے بعد ایک خطۂ زمین پر آ کر بیٹھ گئے اور ہم نے گھر بنانے کے لیے بنیادیں کھودنا شروع کر دیں۔ مکان کی ابھی دیواریں بھی استوار نہیں ہوئیں اور ہمارے دشمن نے اس کی طرف سیلاب کا رُخ پھیر دیا لیکن ہم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو سیلاب سے آنکھیں بند کر کے اس بحث میں مصروف ہو گئے ہیں کہ مکان کی چھت اس طرح کی ہونی چاہیے، کھڑکیاں یوں ہونی چاہئیں، دروازوں کی لمبائی اور چوڑائی اتنی ہونی چاہیے ——— یہ نقشہ جس کے مطابق بنیادیں کھودی جا رہی ہیں، غلط ہے، فلاں نقشہ صحیح ہے۔

———— ✳ ————

اے قوم! انسانوں کا وہ گروہ جو بھیڑوں کی زندگی اختیار کرتا ہے، بھیڑیوں کے ہاتھوں ہلاک ہوتا ہے۔ ہم میں آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو صرف چرواہے کہلانے کے شوق میں جمہور کو بھیڑوں کی زندگی اختیار کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں۔ لیڈری کے بعض خواہش مندوں کو اندیشہ ہے کہ جب قوم متحد ہو کر جہد و عمل کے میدان میں نکل آئے گی تو ان کی منفی اور تخریبی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

صلاحیتوں کی قیمت گھٹ جائے گی۔ اس لیے وہ قوم کے شیرازے کو ہر قیمت پر منتشر رکھنا چاہتے ہیں۔

ان لوگوں نے گزشتہ صدیوں میں بارہا ملت کی چٹان کو خود غرضی کے تیشوں سے پاش پاش کیا ہے۔ اسلام ایک تھا لیکن انھوں نے اس کی وحدت کو فرقوں، گروہوں، نسلوں اور خطوں میں تقسیم کیا۔ آلام و مصائب کے ادوار میں بھی جب مسلمانوں میں اتحاد و تنظیم کی روح بیدار ہوتی تھی، یہ لوگ میدان میں نکل آتے تھے۔ جب اہلِ غرناطہ پر مصائب کی گھٹائیں نازل ہو رہی تھیں، یہ لوگ انھیں عربی، اندلسی اور بربری کے نام پر لڑا رہے تھے۔ جب بغداد پر تاتاری یورش کر رہے تھے، یہ لوگ مختلف فرقوں میں منافرت پھیلانے میں مصروف تھے۔

آج پاکستان میں اسی قسم کا گروہ صوبائی عصبیت کا بیج بونے کی فکر میں ہے۔ ہم ایک ہیں۔ ہمارے مسائل بھی ایک ہیں۔ اگر اسلام عرب میں عربی اور عجمی، قریش اور حبشی کی تفریق کے خلاف تھا تو پاکستان میں بھی پنجابی، سندھی، سرحدی، بلوچستانی اور بنگالی کے درمیان تفریق کی اجازت نہیں دے سکتا۔ پاکستان کے انعامات اور پاکستان کے مصائب میں ہم سب یکساں حصے دار ہیں۔ موجودہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پاکستان میں صوبوں کی تقسیم کو ایک وحدتِ ملی کے اندر جذب کر دیں۔ اجنبی سامراج نے صوبائی حد بندیوں سے پنجابی کے لیے سندھی، سندھی کے لیے سرحدی اور سرحدی کے لیے بلوچستانی کو اجنبی بنا دیا تھا لیکن پاکستان کی بقا اور استحکام کا راز ان حد بندیوں کو ختم کر دینے میں ہے۔ قوم کو ان غرض کے بندوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے جو یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر تمام مسلمان ایک ہو گئے تو ہمارے لیے زندہ باد کے نعرے کون لگائے گا۔

ایک کچھوا ایک گدلے پانی کے جوہڑ سے مچھلیاں شکار کیا کرتا تھا۔ جب برسات کے دن آئے اور آس پاس کے چھوٹے چھوٹے جوہڑ مل کر ایک بڑی جھیل میں تبدیل ہونے لگے تو کچھوے کو خطرہ محسوس ہونے لگا کہ اگر اس کا جوہڑ بھی جھیل کے ساتھ مل گیا تو جھیل

کے وسیع رقبے اور گہرے پانی میں مچھلیوں کا شکار مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے مچھلیوں سے کہا: "تم جوہڑ کے کناروں پر بند لگا دو، ورنہ تمھاری عزت اور آزادی بہت بڑے خطرے کا سامنا کر رہی ہے۔ تم چھوٹی چھوٹی لہروں سے دل بہلانے کے عادی ہو اور جھیل میں تمھیں بڑی بڑی لہریں پریشان کیا کریں گی۔

پاکستان کے صوبوں میں اس قماش کے معتبرین کی کمی نہیں۔ جب یہ لوگ صوبوں کی مکمل آزادی اور خود مختاری کا نعرہ لگاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انھیں لوٹ مار کی پوری آزادی ہو اور مرکز اس قدر کمزور ہو کہ وہ مدافعت نہ کر سکے۔ صوبوں کا درد ان کے دل میں نہیں، پیٹ میں اُٹھتا ہے لیکن چند آدمیوں کی خوشنودی کے لیے قوم کا اجتماعی مفاد قربان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ قوم جو ہندوستان کے اژدہوں اور نہنگوں کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے، اسے ان کچھووں کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے، جو قربانیاں قوم نے پاکستان کے لیے دی ہیں، وہ خدا اور رسولؐ کے نام پر تھیں۔ ہمارے اجتماعی اور قومی شعور کی اساس ہی دینِ اسلام پر ہے۔ تاریخ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ جب بھی ہم نے دینِ الٰہی کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑا ہے، ہم ہر مصیبت اور ہر ابتلا کے دَور سے سُرخرُو ہو کر نکلے ہیں۔ جب بھی ہم نے ذوقِ یقین سے لبریز ہو کر اسلام کی شاہراہ پر قدم رکھا، ہمارے سامنے پہاڑوں نے سر جھکا دیے اور جب بھی ہم نے اپنے سینوں میں عشقِ محمدؐ کی قندیلیں روشن کیں، آلام و مصائب کی تاریکیاں ہمارے پاؤں متزلزل نہ کر سکیں۔

اسلام ہمارے لیے وہ ڈھال ہے جو کفر کے ہر تیر کو روک سکتی ہے۔ اسلام ہمارے ہاتھ میں وہ تلوار دیتا ہے جو ہر تلوار کو کاٹتی ہے۔ اسلام ظلمت کی گھٹاؤں میں ہمارے سامنے روشنی کا وہ مینار ہے جو بار بار ہمارے سفینے کو ساحلِ مقصود تک

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پہنچا چکا ہے۔ آج ہم موت کے منہ سے نکل کر زندگی کے دامن کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور اسلام وہ چشمہ ہے، جس سے قیامت تک زندگی کے دھارے پھوٹتے رہیں گے۔ کفر کی آندھیوں کے سامنے ہم اپنے منتشر شیرازے کو صرف اسلام کی رسّی سے باندھ سکتے ہیں۔ اسلام ہی ہماری راکھ کے انبار سے بجلیاں پیدا کر سکتا ہے۔

اگر ہم خلوص نیت سے پاکستان کی نیام میں اسلام کی تلوار کو جگہ دیں تو وحشت اور بربریت کا طوفان جس تندی اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ اسی رفتار سے سمٹتا ہوا نظر آئے گا۔ وہ زمین جو ہمارے شہیدوں کے خون سے لالہ زار ہوئی ہے وہ ہمارے سپاہیوں کے پاؤں کو بوسے دے گی۔ جس آسمان نے قوم کی بیٹیوں اور بچوں کی جگر دوز چیخیں سُنی ہیں، وہ ہمارے غازیوں کے نعرے سُنے گا۔ جو مساجد مندروں اور گوردواروں میں تبدیل کر دی گئی ہیں، وہاں پھر ایکبار اللہ اکبر کی صدائیں گونجیں گی۔

اے قوم! میں تجھے عافیت پسندوں کے اس گروہ سے خبردار کرتا ہوں۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ پاکستان کی صلح جوئی اور امن پسندی ہندوستان کے جارحانہ عزائم بدل دے گی۔ گزشتہ واقعات بارہا اس حقیقت کا ثبوت دے چکے ہیں کہ ہندو دفاشزم صرف تلوار کی زبان سمجھ سکتا ہے۔

بھارت میں اس تہذیب و تمدن کا احیا ہو رہا ہے۔ جس کی بنیاد نفرت اور حقارت کے جذبے پر رکھی گئی ہے۔ ہندو طاقتور کا احترام کرتا ہے، نہیں بلکہ اس کی پُوجا کرتا ہے اور کمزور کو اچھوت کا درجہ دے کر کچل ڈالتا ہے۔ خاندان مغلیہ کے زوال کے بعد مسلمانوں کے انتشار اور کمزوریوں نے ہندو کی اچھوت دشمنی کو اسلام دشمنی میں تبدیل کر دیا اور جس قدر اسلام، ہندو مذہب کی ضد ہے، اسی قدر ہندو کے لیے مسلمان کا وجود ناقابلِ برداشت ہے۔ ہماری شرافت، ہماری صداقت

امن پسندی اور نیکی اس وقت تک اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی جب تک ہم زور بازو اس سے زندہ رہنے کا حق نہیں منواتے۔

ہندوستان کے صنم خانوں سے جو آگ نمودار ہوئی ہے وہ دس کروڑ فرزندان توحید کو بھسم کرنا چاہتی ہے۔ یہ آگ ہمیشہ کسی محمدؐ بن قاسم اور کسی محمودؒ غزنوی کی منتظر رہے گی۔

گزشتہ واقعات ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی اجازت نہیں دیتے کہ ہمارے ہاتھوں میں صلح و آشتی کے پھول دیکھ کر یہ آگ خود بخود ٹھنڈی ہو جائے گی۔ ہمیں اس تلخ حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ہندوستان میں قتل عام کے ساتھ کفر اور اسلام کا فیصلہ کن معرکہ شروع ہو چکا ہے اور ہمیں صرف ایک ناقابلِ تسخیر عزم ہی برہمنی استبداد کے غلبے سے بچا سکتا ہے۔

پاکستان فقط آٹھ کروڑ مسلمانوں کا دفاعی حصار نہیں بلکہ اس کی بقا اور استحکام ہمارے ان تین کروڑ بھائیوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے جو انگریز کے بعد ہندو استبداد کی چکی میں پس رہے ہیں ——— آج ان کے دروازوں پر موت کا پہرا ہے۔ آج ان کی بے بسی اس لڑکی کی مظلومیت سے کہیں زیادہ ہے، جس کی فریاد نے محمدؐ بن قاسم کی تلوار کو بے نیام کیا تھا۔ آج یہ تین کروڑ انسان اس تلوار کو اپنی شاہ رگ کے قریب دیکھ رہے ہیں جس نے مشرقی پنجاب میں لاکھوں انسانوں کو قتل کیا ہے۔ آج ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اگر پاکستان جاہ پسندوں اور وزارتوں اور عہدوں کی کرسیوں کے بھوکوں کا اکھاڑہ بنا رہا تو اس کا انجام کیا ہوگا۔

اگر پاکستان ہندوستان کے تین یا ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کے تحفظ کے لیے کوئی مؤثر قدم نہ اٹھا سکا تو ان کے لیے موت، جلاوطنی یا ترک اسلام کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

ہندوستان کا حکمران طبقہ جس قدر اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرے گا اسی قدر اُسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہندو عوام میں مقبولیت حاصل ہوگی۔ صفِ اوّل کے کانگرسی لیڈروں میں پٹیل نے اپنے آپ کو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ثابت کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہندو عوام پر اس کا اثر و اقتدار گاندھی اور نہرو کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ ہندو مہا سبھا اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے لیڈر پٹیل کے مقابلے میں کہیں زیادہ انتہا پسند ہیں اور واقعات کے پیشِ نظر ہمیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ آنے والے دَور میں ہندوستان کی قسمت ان جنونیوں کے ہاتھ میں ہوگی جو ہندو رائے عامہ کے سامنے یہ ثابت کر سکیں گے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے متعلق ان کے عزائم پٹیل اور نہرو کی نسبت کہیں زیادہ بھیانک ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب نہرو اور پٹیل کی کرسیوں پر ہمیں سیوا سنگھی اور مہا سبھائی نظر آئیں گے اور ہندوستان کے کونے کونے میں مشرقی پنجاب کی تاریخ دہرائی جائے گی اور اگر پاکستان کے مسلمانوں نے محض تماشائیوں کی حیثیت میں اپنے کروڑوں بھائیوں کا قتلِ عام دیکھا تو یہ ان کا ایک ایسا جُرم ہوگا جو شاید قدرت معاف نہ کرے۔

وحشت اور بربریت کے سیلاب سے جو لوگ بچ کر نکلیں گے، ان کی آخری جائے پناہ پاکستان ہوگی لیکن پاکستان میں ان کروڑوں نئے مہاجرین کے لیے جائے پناہ تلاش کرنا ناممکن ہوگا۔

کسی دن اچانک ہم یہ سُنیں گے کہ آج ہندوستان کی عنانِ اقتدار کسی مہا سبھائی یا سیوا سنگھی نے سنبھال لی ہے اور جس تندی اور تیزی سے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہوا تھا، اس سے کہیں زیادہ تندی اور تیزی سے ہندوستان کے باقی صوبوں میں ان کا قتلِ عام شروع ہو چکا ہے۔ اس وقت کائنات کا ضمیر پاکستان کے ہر بچے اور بُوڑھے سے بھی اس سوال کا جواب پُوچھے گا "کیا تم صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو ——؟"

ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ ہندوستان میں سوشلزم یا کمیونزم

کی تحریکیں ہندو عوام کے تخریبی رجحانات بدل دیں گی۔ جب تک برہمن ازم کے علم برداروں کے سامنے مسلمانوں کا ہدف موجود ہے، وہ کسی وقت کا سامنا کیے بغیر بھارت کے ترکش کے ہر تیر کو ان کے خلاف استعمال کرتے رہیں گے۔ ہندوستان میں جب بھی کوئی عوامی تحریک اُٹھے گی، اس کا رُخ مسلمان کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

قوم کے سپاہیو!

تمہارے لیے میرے پاس تشکر کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں۔ جب قوم کی کشتی گرداب میں تھی، تم روشنی کا مینار تھے، جب قوم کے راہنماؤں کے پاؤں ڈگمگا رہے تھے تم اپنی جگہ فولاد کی چٹانوں کی طرح کھڑے تھے۔ جب قوم کی رگوں کا خون منجمد ہو چکا تھا، تمہارے سینوں میں زندگی کے ولولے کروٹیں لے رہے تھے۔

تم وہ خوش نصیب ہو جنھیں قدرت نے عالمِ اسلام کے سب سے بڑے حصار کی حفاظت پر مامور کیا ہے۔

بھارت میں کفر اپنے تمام تخریبی عناصر کو متحد اور منظم کر چکا ہے اور تم اسلام کے ترکش کے آخری تیر ہو۔ کفر آج بھی اپنی تعداد، اپنے اسلحہ اور اپنے خزانوں پر نازاں ہے لیکن اگر تم اپنے دلوں میں مردِ مومن کا ایمان زندہ کر سکے تو اس زمین پر پھر ایک بار بدر و حُنین کی داستانیں دُہرائی جائیں گی۔

اگر تم زندگی کے امتحان میں اسلام کی کسوٹی پر پورے اُتر سکے تو پاکستان تمہارا ہے۔ کشمیر تمہارا ہے —— خدا کی زمین تمہاری ہے۔ عزت، آزادی، فتح اور کامرانی سب تمہارے لیے ہیں۔ تم ہندوستان میں اپنے تین کروڑ مجبور اور بے بس بھائیوں کو وہی پیغام دے سکو گے جو عرب کے کمسن سالار نے راجہ داہر کے قیدیوں کو دیا تھا —— ریڈ کلف ایوارڈ ہماری رگِ جان پر ایک رستا ہوا ناسُور ہے لیکن ماضی کی تاریخ اس حقیقت کی گواہی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دیتی ہے کہ دنیا کے نقشے پر ٹیڑھے نقوش ہمیشہ نوکِ شمشیر سے درست کیے گئے ہیں۔

قوم کے نوجوانو! اور پاکستان کے معمارو!

یہ کبھی نہ بھولو کہ پاکستان تمھیں ان گنت قربانیوں کے بعد حاصل ہوا ہے۔ پاکستان کی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے تم قدم قدم پر لاشوں کے انبار چھوڑ کر آئے ہو اور اس کی بقا اور اس کے استحکام کے لیے مزید قربانیوں کی ضرورت ہے۔

جب تک نہرو کی افواج کشمیر میں ہیں، جب تک قوم کی پچاس ہزار بہو بیٹیاں بچۂ اغیار میں ہیں اور جب تک تمھاری قوم کے تین کروڑ فرزندِ انسانیت کے بدترین دشمن کے رحم و کرم پر ہیں اور تم ان کے حق میں کوئی مؤثر آواز بلند نہیں کر سکتے تو یہ سمجھو کہ جس مقصد کے لیے پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تھی، وہ ابھی تک پورا نہیں ہوا۔

دنیا میں صلح و امن بہت بڑی نعمت ہے لیکن صلح و امن فقط ان کے لیے ہے جو شر کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں جب تک پاکستان بیرونی خطرات سے پاک نہیں ہوتا، تمھیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اس دفاعی حصار کی تعمیر میں تمھارے حصے کا کام باقی ہے ——— تمھارے ہاتھ زخمی ہیں لیکن قوموں کی عظمت کے تاج محل ہمیشہ ان معماروں نے کھڑے کیے ہیں جن کے ہاتھ زخمی تھے۔"

———

ستمبر ۱۹۴۸ء میں قوم اس رجلِ عظیم کی راہنمائی سے محروم ہو گئی جس نے اسے آندھیوں اور تاریکیوں میں پاکستان کی منزل دکھائی تھی۔ قائدِ اعظمؒ محمد علی جناح قوم کی کشتی کے وہ ناخدا تھے جنھوں نے قیامِ پاکستان کے ایک سال بعد تک تاریخِ انسانی کے مہیب ترین طوفان کا مقابلہ کیا تھا۔ ان کی وفات کی خبر قوم کے ہوش و حواس پر بجلی بن گری اور اس کے بعد یہ خبر آئی کہ ہندوستان کی وحشت اور بربریت کا سیلاب حیدر آباد کی حدود میں داخل ہو چکا ہے۔ جواہر لال نہرو کی افواج کے ٹینک نہتے رضاکاروں کی لاشوں پر سے گزر رہے ہیں۔ ایسے نازک مرحلے میں قوم جس آواز کا انتظار کیا کرتی تھی، وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکی تھی۔ بھارتی حکومت مدت سے حیدر آباد دکن پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہی تھی ——— لیکن جارحانہ اقدام سے پہلے بھارت کو اس اطمینان کی ضرورت تھی کہ حیدر آباد اس کے لیے ایک اور کشمیر ثابت نہیں ہوگا اور یہ اطمینان انھیں نظامِ حیدر آباد سے زیادہ اور کوئی نہیں دلا سکتا تھا۔

رضاکار سر پر کفن باندھ کر میدان میں آئے۔ ان کے قائد سید قاسم رضوی نے پھر ایک بار ٹیپوؒ کا یہ نعرہ بلند کیا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے۔ لیکن وہ غیور انسان جو صرف دیسی رائفلوں، برچھیوں سے مسلح ہونے کے باوجود ہندوستان کے ٹینکوں، طیاروں اور توپوں کا چیلنج قبول کر چکے تھے، نظام کی غداری اور بزدلی کی تاب نہ لا سکے۔ حیدر آباد دکن کی جنگ لاکھوں مسلمانوں کے لیے زندگی اور موت کی جنگ تھی۔ انھیں معلوم تھا کہ ہندو فسطائیت کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کے بعد اُن کا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کیا انجام ہوگا۔

بے سروسامان رضاکار اس اُمید پر ہندوستان کی توپوں اور ٹینکوں کے سامنے کھڑے ہوگئے کہ نظام کی فوج بقا کی جنگ میں قوم کا ساتھ دے گی لیکن نظام نے یہ ثابت کر دکھایا کہ اس کے اسلاف کے خون کا رنگ نہیں بدلا۔ جب دکن کے رضاکار دشمن کے ٹینکوں کے سامنے لیٹ رہے تھے، نظام کی فوج سکندر آباد میں حملہ آوروں کے استقبال کی تیاریاں کر رہی تھی۔

حیدر آباد جنوبی ہند میں مسلمانوں کا آخری دفاعی حصار تھا۔ جب ہندوستان میں مسلمانوں کے قتل و غارت کا طوفان شروع ہوا تھا، مدراس، بمبئی اور سی۔ پی سے لاکھوں مسلمان ہجرت کر کے حیدر آباد میں پناہ لے چکے تھے۔ حیدر آباد کی تباہی کی داستان بغداد اور غرناطہ کی تباہی کی داستانوں سے مختلف نہ تھی ـــــ وہ زمین جس نے صدیوں تک مسلمانوں کا جاہ و جلال دیکھا تھا، اب بے گناہوں کے خون اور بے کسوں کے آنسوؤں سے سیراب ہو رہی تھی۔ حیدر آباد میں مسلمانوں کی صدیوں کی آزادی اور حکومت کی تاریخ ان الفاظ کے ساتھ ختم ہوئی کہ قوموں کی دشمنی کے لیے پٹیل اور نہرو کی نسبت گھر کے غدار زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ وہ گھر جس کا پاسبان چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ مل جائے ہمیشہ تباہی کا سامنا کرتا ہے۔

حیدر آباد میں خون کی ہولی کھیلنے کے بعد بنیے کی سفاکی اپنے اوج کمال کو پہنچ چکی تھی۔ یو۔ این۔ او کی خاموشی نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ بین الاقوامی مجلسیں تلوار کے فیصلے رد نہیں کرتیں۔ حیدر آباد کی تسخیر کے ساتھ ہی ہندوستان کی حکومت کشمیر پر ایک فیصلہ کن حملہ کر چکی تھی۔ ایک طرف بے سروسامان مجاہدین کا عزم و استقلال تھا اور دوسری طرف وحشیوں کے ریوڑ ہندوستانی حکومت کے تمام وسائل کے ساتھ میدان میں آ چکے تھے۔ ہندوستان کی توپیں اور ٹینک آگ اُگلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے ـــــ جنگ کے شعلے پاکستان کی حدود کے پاس پہنچ چکے تھے۔

کیا پاکستان ہندوستان کو دکن کی طرح کشمیر میں بھی تلوار کا فیصلہ منوانے کی اجازت دے گا؟ ـــــ کیا پاکستان یہ گوارا کرے گا کہ پینتیس لاکھ اور انسان مغربی پنجاب اور صوبہ سرحد میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائیں؟ ـــــ پاکستان کے سپاہی نے ان سوالات کا جواب دینے کے لیے اپنی سنگین اٹھائی اور دشمن کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

سلیم تین ہفتوں سے میرپور کے ہسپتال میں زیر علاج تھا۔ جہادِ کشمیر میں وہ دوسری بار زخمی ہوا۔ پہلی بار اس کا زخم معمولی تھا لیکن دوسری بار دشمن کے ایک اہم مورچے پر حملہ کرتے ہوئے وہ بُری طرح زخمی ہوا۔ اُسے علاج کے لیے میرپور کے ہسپتال میں بھیجا گیا۔ آپریشن کے بعد جب اُسے ہوش آیا تو ایک بوڑھا ڈاکٹر اس کے قریب کھڑا اس کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ ڈاکٹر شوکت تھا۔

سلیم کا پہلا سوال یہ تھا۔ "میں کب دوبارہ محاذ پر جا سکوں گا؟"

ڈاکٹر شوکت نے قدرے فکرمند نگاہوں سے سلیم کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔ "بیٹا! تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔ بازو کا زخم تو بہت جلد اچھا ہو جائے گا لیکن تمہاری ٹانگ.....!"

سلیم نے چونک کر کہا۔ "ہاں! میری ٹانگ کے متعلق.....!"

ڈاکٹر شوکت نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تشویش کی کوئی بات نہیں بیٹا! لیکن تمہیں کافی دیر آرام کرنا پڑے گا۔"

"آرام!" سلیم نے اپنے چہرے پر مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "آرام میرے لیے بہت تکلیف دہ ہے۔ مجھے اس خاموشی سے وحشت ہوتی ہے!"

ڈاکٹر شوکت ایک اسٹول گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا اور بولا۔ "بیٹا گھبراؤ نہیں۔ انشاء اللہ تمہیں بہت جلد آرام آ جائے گا!"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سلیم نے کہا۔ "آپ آپریشن سے پہلے میری ٹانگ کے متعلق پریشان تھے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میں کب تک میدان میں جانے کے قابل ہو جاؤں گا۔ گھٹنے سے نیچے پاؤں کی انگلیوں تک میری ٹانگ بے حس ہو چکی ہے!"

ڈاکٹر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دور سے ہوائی جہازوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ آواز قریب آتی گئی۔ ہسپتال میں لیٹے ہوئے مریض ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ باہر سے کسی نے بلند آواز میں کہا۔ "لیٹ جاؤ، وہ اس طرف آ رہے ہیں!" اس کے ساتھ ہی ہسپتال سے کچھ دور بموں کے دھماکے اور مشین گنوں کی تڑتڑ سنائی دینے لگی۔ ایک بم ہسپتال کے ایک کونے کے قریب پھٹا اور ایک روشن دان اور کھڑکی کے چند شیشے اُڑ گئے۔ سلیم سے تھوڑی دور ایک مریض اچانک بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گیا اور بلند آواز میں چلایا۔ "تم کیا دیکھ رہے ہو۔ تم اپنی توپیں اور مشین گنیں کیوں نہیں چلاتے؟ انھیں اُڑا دو۔ خدا کی قسم یہ کھلونے ہیں۔ پاکستان کے ہوا بازوں سے کہہ دو کہ یہ جس قدر ظالم ہیں، اسی قدر بزدل ہیں۔"

ڈاکٹر جلدی سے اُٹھ کر آگے بڑھا اور اُسے زبردستی پکڑ کر بستر پر لٹاتے ہوئے بولا ـــــ "آپ آرام سے لیٹے رہیں، یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے!"

مریض اپنے آپ کو ڈاکٹر کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "مجھے رائفل دو، میں ان سب کو گرا دوں گا۔ خدا کی قسم میں ان سے نہیں ڈرتا.... میں ان سے نہیں ڈرتا ـــــ" ہسپتال کے چند اور ملازم اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ہوائی جہاز ہسپتال کے آس پاس چند بم گرانے اور اندھا دھند گولیوں کی بارش کرنے کے بعد جا چکے تھے۔ اور مریض کا جوش و خروش کسی حد تک ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے چھوڑ دو ڈاکٹر صاحب! میں ٹھیک ہوں۔"

ڈاکٹر شوکت نے دوبارہ سلیم کے پاس آ کر کہا۔ "کل شام اسے محاذ سے یہاں لایا گیا ہے۔ پچھلے دنوں میں مظفر آباد میں تھا تو وہاں بھی یہ زخمی ہو کر آیا تھا۔ اس کے

ساتھی اس کی بہادری کی بہت تعریف کرتے تھے۔"

سلیم نے سوال کیا۔ "ڈاکٹر صاحب! اب وہ کیسا ہے؟"

"اس کے زخم تو معمولی ہیں لیکن نمونیہ کا حملہ بہت شدید ہے۔ اب بھی وہ بخار کی حالت میں چلا رہا تھا لیکن پہلے کی نسبت اب اس کی حالت بہتر ہے۔ انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائے گا!"

سلیم نے کچھ سوچ کر کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! اگر تکلیف نہ ہو تو اس کا بستر میرے قریب کروا دیجیے لیکن ابھی نہیں۔ اس وقت وہ مجھے دیکھ کر پریشان ہو گا۔"

"تم اسے جانتے ہو؟"

"وہ کالج میں میرا ہم جماعت تھا۔ اس وقت ہم ایک دوسرے سے لڑا کرتے تھے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کسی دن ہم ایک محاذ پر اکٹھے ہو جائیں گے ـــــ!"

یہ نوجوان الطاف تھا ـــــ نیشنلسٹ اور وطن پرست۔ الطاف، جسے طالبعلمی کے زمانے میں پاکستان کے نام سے چڑ تھی۔ اب ایک مدت سے پاکستان کے ایک گمنام رضاکار کی حیثیت میں جہاد کشمیر میں حصہ لے رہا تھا۔

تیسرے دن الطاف کا بخار ٹوٹ چکا تھا اور وہ سلیم کے قریب بستر پر لیٹا اپنی سرگزشت سنا رہا تھا ـــــ الطاف کی سرگزشت سلیم کے لیے نئی نہ تھی، وہ ایسی سینکڑوں داستانیں سُن چکا تھا۔ الطاف ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے آخری دم تک ہندوؤں اور سکھوں پر اعتماد کیا۔ اس کے شہر میں ڈسٹرکٹ کانگرس کا صدر اس کا دوست تھا۔ ڈپٹی کمشنر اور فوج کے افسر اس کے والد کو یہ اطمینان دلا چکے تھے۔ کہ آپ کے خاندان کی حفاظت کے لیے دہلی سے نہرو حکومت نے ہمیں سخت ہدایات بھیجی ہیں، چنانچہ جب بلوے شروع ہوئے تو محلے کے کئی خاندانوں نے الطاف کے گھر کو محفوظ سمجھ اپنی بہو بیٹیوں کو وہاں بھیج دیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کے بعد ان کے مکان پر حملہ کیا گیا۔ کانگرس کے عہدیدار اور پولیس کے افسر حملہ آوروں کے راہنما تھے۔ حملے کے وقت الطاف کا والد دروازے سے باہر نکل کر چلایا۔ "ظالمو! ہم نے ہمیشہ کانگرس کا ساتھ دیا ہے۔ ہم نے ہمیشہ پاکستان کی مخالفت کی ہے۔ نہرو اور پٹیل مجھے جانتے ہیں۔ میرے پاس مہاتما گاندھی کے خط موجود ہیں ـــــ!" اور وہ قہقہے لگا رہے تھے ـــــ ایک سکھ اسے داڑھی سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا گلی میں لے گیا اور بلوائی بھوکے کتوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔ الطاف دوسری گلی کے راستے نکل کر ڈپٹی کمشنر کے بنگلے کی طرف بھاگا لیکن پولیس کے سپاہیوں نے اسے بنگلے کی چار دیواری کے باہر ہی روک لیا۔ الطاف چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔ "میں ڈپٹی کمشنر کا دوست ہوں، مجھے اس کے پاس جانے دو۔ میرے مکان پر حملہ ہو چکا ہے۔ مجھے نہرو اور پٹیل جانتے ہیں" اور سپاہی اس کے جواب میں کہہ رہے تھے۔ "اُسے اُلٹا لٹکا دو!"

ڈپٹی کمشنر کار پر اپنے بنگلے سے باہر نکلا۔ سپاہی راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہو گئے۔ ڈپٹی کمشنر نے کار سے باہر جھانکتے ہوئے الطاف کی طرف دیکھا اور ڈرائیور سے کہا۔ "روکو نہیں، چلو!"

الطاف نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے آپ کو سپاہی کی گرفت سے آزاد کیا اور بھاگ کر کار کے پائیدان پر پاؤں رکھتے ہوئے چلایا۔ "ڈپٹی صاحب! کار روکیے، میں الطاف ہوں۔ میرے مکان پر حملہ ہو چکا ہے۔ آپ انھیں روک سکتے ہیں۔" الطاف کھڑکی کے راستے اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سپاہی چند قدم دُور اس کے تعاقب میں آ رہے تھے۔ ڈپٹی کمشنر نے پہلے ہاتھوں سے دھکیل کر اسے نیچے پھینکنے کی کوشش کی اور اس کے بعد پستول نکال کر فائر کر دیا۔ پستول کی گولی الطاف کے شانے کے پاس لگی۔ اس کے ساتھ ہی ڈپٹی کمشنر نے اُسے دھکا دیا اور وہ سڑک پر گر پڑا۔ ڈرائیور نے دوبارہ کار روکنے کی کوشش کی لیکن ڈپٹی کمشنر نے پھر کہا۔ "ہمیں پانچ منٹ میں ہوائی اڈے پر پہنچنا ہے،

تیز چلو۔"

کار کے قریب سے ایک فوجی ٹرک گزر رہا تھا۔ الطاف کے نیچے گرتے ہی ڈرائیور نے ٹرک روکا۔ بلوچ رجمنٹ کا ایک افسر اور پانچ سپاہی نیچے اُترے۔ پولیس کے سپاہی جو الطاف کے تعاقب میں آ رہے تھے، انھیں دیکھ کر رک گئے۔ اس ٹرک کے پیچھے بلوچ رجمنٹ کے دس اور ٹرک آ رہے تھے، افسر کے اشارے پر وہ بھی رُک گئے۔ پولیس کے سپاہی ایک ثانیہ توقف کے بعد اُلٹے پاؤں بھاگ رہے تھے۔ افسر کے حکم پر سپاہیوں نے الطاف کو بے ہوشی کی حالت میں ایک ٹرک پر لٹا دیا۔ اس کے بعد جب اسے ہوش آیا تو وہ لاہور کے ہسپتال میں تھا۔

تندرست ہونے کے بعد الطاف کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس کے خاندان کا کیا حشر ہوا۔ ایک دن والٹن کیمپ لاہور میں اسے اپنے محلے کے چند آدمی مل گئے اور انھوں نے بتایا کہ اس کی بیوی نے حملے کے وقت مکان کی تیسری منزل سے چھلانگ لگا دی تھی۔ اس کے خاندان اور اس کے گھر میں پناہ لینے والی عورتوں کو ننگا کر کے ان کا جلوس نکالا گیا تھا اس کے بعد دو ماہ کے عرصے میں الطاف فوجی کنوائے کے ساتھ تین مرتبہ مشرقی پنجاب گیا لیکن اسے اپنے خاندان کی کسی عورت کا پتہ نہ ملا۔ اس کا ایک بہنوئی لاہور میں تھا، ایک دن اُسے معلوم ہوا کہ جالندھر کے آس پاس سے عورتیں برآمد کی گئی ہیں اور شام تک بذریعہ ریل لاہور پہنچنے والی ہیں۔ الطاف اپنے بہنوئی کے ساتھ اسٹیشن پہنچا۔ ان عورتوں میں ان کے خاندان کی صرف ایک لڑکی تھی اور یہ اس کی بہن تھی ـــــ اور جب الطاف سلیم کے ساتھ اس کا ذکر کر رہا تھا، سلیم یوں محسوس کر رہا تھا جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔ الطاف اچانک خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر وہ گہری سوچ میں چھت کی طرف دیکھتا رہا اور بالآخر گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ منظر بڑا دلگداز تھا سلیم! میں اپنی بہن کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور پھر اچانک اس نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم کون ہو؟ میری طرف کیوں گھور رہے ہو؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔ فہمیدہ! میری طرف دیکھو، میں تمھارا بھائی ہوں۔ اور دیکھو! یہ حامد ہے۔ یہ تمھیں لینے آیا ہے۔ اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی میری طرف اور کبھی اپنے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اچانک اس نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا اور پلیٹ فارم پر ایک طرف بھاگ نکلی۔ میں نے بھاگ کر اسے پکڑ لیا اور ہم اسے گھر لے آئے۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ میں نے چند دن اپنے بہنوئی کے ہاں قیام کیا۔ فہمیدہ کبھی ہنستی اور کبھی روتی تھی۔ لیکن اس کی زندگی کے تلخ ترین لمحات وہ تھے جب وہ ہوش میں ہوا کرتی تھی ـــــ اس کا خسر، ساس اور شوہر اسے تسلی دینے کی کوشش کرتے لیکن اس کی نگاہیں اُوپر نہ اُٹھتیں۔ عالمِ ہوش میں اس کے لیے یہ حقیقت ناقابلِ برداشت تھی کہ وہ کسی کی بیوی، کسی کی بہو اور کسی کی بہن ہے۔ اس کا خاوند قسمیں کھاتا۔ فہمیدہ! تم میری نگاہ میں پاک دامن ہو۔ وہ کبھی خاموشی سے اس کی باتیں سُنتی اور کبھی چلا اٹھتی "نہیں نہیں! آپ مجھے جھوٹی تسلیاں نہ دیں۔ آپ مجھے ذلیل سمجھتے ہیں۔ آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ نے مجھے زندہ کیوں رہنے دیا۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی میرا گلا کیوں نہ گھونٹ دیا۔" اور پھر وہ جنون کی حالت میں اپنے بال اور چہرہ نوچ ڈالتی ـــــ ایک دن وہ ہوش میں تھی اور میرے مُنہ سے نکل گیا۔ "فہمیدہ! میں تمھارا انتقام لوں گا" ـــــ وہ مجھ پر برس پڑی: "میں جانتی ہوں تم میرا انتقام کس طرح لوگے۔ تم نہرو، پٹیل اور تارا سنگھ کے پاس فریاد لے کر جاؤ گے کہ تمھارے سورماؤں نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ میرے خاندان کی عورتوں کو ننگا کر کے جلوس نکالا ہے۔ تم اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن میں تنہا نہیں، قوم کی ہزاروں بیٹیاں ابھی تک سکھوں اور ہندوؤں کے قبضے میں ہیں۔ پاکستان سے کبھی کبھی دن قوم کا کوئی غیور بیٹا ان کی فریاد ضرور سُنے گا۔ وہ تمھاری طرح یہاں بیٹھ کر احتجاج نہیں کرے گا بلکہ مشرقی پنجاب کے کونے کونے میں جا کر یہ پیغام دے گا کہ اس خاک پر جن شہیدوں کا لہو گرا ہے، وہ میرے بھائی تھے۔ اس زمین پر جن عورتوں کی عصمت لُوٹی گئی، وہ میری بہنیں

تھیں۔ وہ بھٹکتی ہوئی ارواح کی فریاد سُنے گا۔ مشرقی پنجاب میں بجلیاں اور زلزلے اس کے ہم رکاب ہوں گے۔ کاش! مجھے مشرقی پنجاب میں موت آجاتی اور میری رُوح اپنے اس بھائی کا خیر مقدم کرتی ـــــ!"

مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ فہمیدہ کو سب سے زیادہ میری ذات سے نفرت ہے۔ اسے یہ غلط فہمی تھی کہ میں حملے کے وقت اپنی جان بچانے کیلیے بھاگ آیا تھا۔ تقسیم سے قبل وہ اپنے کالج کی لڑکیوں کی مجالس میں پاکستان کے حق میں تقریریں کیا کرتی تھی۔ اس کے خیالات میرے اور ابا جان کے خیالات سے مختلف تھے۔ وہ کہا کرتی تھی کہ ہندو کے جارحانہ عزائم کے خلاف مدافعت کیلیے پاکستان مسلمانوں کا آخری مورچہ ہے۔ خاندان کی بہت سی لڑکیوں کو اس نے اپنا ہم خیال بنا لیا تھا۔ خیر یہ باتیں تمھارے لیے دلچسپ نہیں ہونگی، میں تمھیں بتا رہا تھا کہ کبھی کبھی اس کی باتیں سنجیدہ ہوا کرتی تھیں لیکن حقیقتاً وہ زندگی کے ساتھ اپنے تمام ناطے توڑ چکی تھی اور ہم تمام کوششوں کے باوجود اس کے چہرے پر کھوئی ہوئی مسکراہٹیں دوبارہ نہ دیکھ سکے۔ اس کی صحت آئے دن گر رہی تھی۔

کشمیر کی جنگ شروع ہوئی تو میں رضا کاروں کی ایک جماعت کے ساتھ یہاں پہنچ گیا۔ دو ماہ بعد اوڑی کے محاذ پر ایک دن اچانک مجھے حامد ملا، وہ بھی آزاد فوج میں شامل ہو چکا تھا اور اس نے مجھے بتایا کہ فہمیدہ میری آمد سے بیس دن بعد فوت ہو گئی تھی۔

مرتے وقت اس نے حامد سے وعدہ لیا تھا کہ وہ جہادِ کشمیر میں شریک ہوگا اور وہ اپنا یہ وعدہ پورا کرنے آیا تھا ـــــ حامد شہید ہو چکا ہے اور وہ اوڑی کے پاس دیودار کے ایک درخت کے نیچے دفن ہے۔ مرتے وقت حامد نے مجھ سے کہا تھا۔ الطاف! اگلے سال موسمِ بہار میں میری قبر پر جنگلی پھول کھلیں گے۔ اگر تم یہاں آسکو تو یہاں سے چند پھول لے جانا اور فہمیدہ کی قبر پر چڑھا دینا۔"

کچھ دیر الطاف اور سلیم خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے، اچانک الطاف نے کہا۔ "سلیم! تمھیں اختر کے متعلق کچھ معلوم ہے؟"

اختر کا نام سُن کر سلیم چونک پڑا۔ "نہیں، پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

الطاف نے کہا۔ "وہ شہید ہو چکا ہے۔ میں پہلی بار اپنے خاندان کی عورتوں کی تلاش میں گیا تھا تو جالندھر کے کیمپ میں مجھے اختر کا ایک دوست ملا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اختر نے عہد کیا تھا کہ جب تک شہر کے تمام مسلمان پاکستان نہیں پہنچ جاتے، میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اُس کا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایک چچا فوج میں میجر تھا' وہ خاندان کے باقی افراد کو نکال کر لے آیا لیکن اختر وہیں رہا۔ ایک دن وہ جالندھر کے پاس ایک گاؤں کے مسلمانوں کو نکال کر پناہ گزینوں کی گاڑی پر سوار کرنے کے لیے ریلوے اسٹیشن کی طرف لا رہا تھا کہ راستے میں سکھوں نے حملہ کر دیا۔ صرف چند آدمی بھاگ کر کیمپ میں پہنچے اور انھوں نے بتایا کہ اختر شہید ہو چکا ہے۔"

الطاف ایک ہفتے کے بعد تندرست ہو کر دوبارہ محاذ پر چلا گیا اور سلیم ہسپتال کی تنہائی اور خاموشی کو زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگا۔ تین ہفتوں کے بعد اس کے زخم مندمل ہو چکے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی اسے معلوم ہوا کہ اس کی بائیں ٹانگ پنڈلی کی بعض رگوں کے کٹ جانے کے باعث ناکارہ ہو چکی ہے اور وہ ایک غیر معین عرصے تک لکڑیوں کے سہارے کے بغیر چل پھر نہیں سکے گا۔ ڈاکٹر شوکت اسے بار بار یہ کہہ کر تسلی دیتا کہ تمھاری یہ تکلیف عارضی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد تمھیں لکڑیوں کے سہارے کی ضرورت نہیں رہے گی لیکن ہسپتال کے ایک اور ڈاکٹر نے سلیم کو یہ کہہ کر بہت حد تک مایوس کر دیا کہ تمھارے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ تم چند ماہ تک لکڑی کے سہارے کے بغیر چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ لیکن مستقبل قریب میں اس کی امید بہت کم ہے کہ لڑائی میں حصہ لے سکو۔

ایک دن ڈاکٹر شوکت نے سلیم کو بتایا کہ ارشد کا خط آیا ہے اور وہ پرسوں یہاں پہنچ کر تمھیں اپنے ساتھ لے جائے گا۔ میں نے بھی ایک ہفتے کی چھٹی لے لی ہے، اگر اچانک کسی مصروفیت کے باعث مجھے اپنی چھٹی منسوخ نہ کرانا پڑی تو میں بھی تمھارے ساتھ جا سکوں گا۔ ہاں! ارشد نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجید تبدیل ہو کر راولپنڈی آ گیا ہے اگر اسے چھٹی مل گئی تو وہ بھی شاید ارشد کے ساتھ آ جائے۔"

سلیم نے مغموم لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! آپ میرا راولپنڈی جانا ضروری سمجھتے ہیں؟"

ڈاکٹر نے پریشان ہو کر جواب دیا۔ "میرا خیال تھا کہ تم ہسپتال کی زندگی سے تنگ آ چکے ہو!"

"ہسپتال کی زندگی سے میں واقعی تنگ آ چکا ہوں اور جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں سپاہیانہ زندگی کے قابل نہیں رہا' اس چار دیواری میں میرا دم گھٹتا محسوس ہوتا ہے لیکن راولپنڈی جا کر میں کیا کروں گا؟"

"وہاں تم بے کار نہیں بیٹھو گے سلیم! تمھارے لیے ہر جگہ کام ہے اور یہ تمھیں کس نے بتایا کہ تم سپاہیانہ زندگی کے قابل نہیں رہے؟ بیٹا! میں تمھیں جانتا ہوں کہ جب تک تمھارے دل کی دھڑکنیں خاموش نہیں ہو جاتیں تمھیں کوئی طاقت سپاہیانہ زندگی سے محروم نہیں کر سکتی۔ اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ تمھاری ٹانگ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ میں لاہور اور کراچی کے تجربہ کار ڈاکٹروں سے تمھارے لیے مشورہ کروں گا لیکن جب تک تم بندوق اٹھا کر دوبارہ میدان میں جانے کے قابل نہیں ہوتے' اس وقت تک محاذِ جنگ سے دور رہ کر بھی قوم کی خدمت کر سکتے ہو۔"

"وہ کیسے؟"

"تمھارا قلم بہت بڑا ہتھیار ہے اور قوم کو اس کی ضرورت ہے۔ تم خود کہا کرتے ہو کہ کشمیر کی جنگ پاکستان کی جنگ ہے اور پاکستان کی جنگ ساری قوم کی جنگ ہے۔ سلیم! اسے قوم کی جنگ بنانے کیلیے تمھارے جیسے ادیبوں کی پکار کی ضرورت ہے۔ تم راکھ کے انبار سے بجلیاں پیدا کر سکتے ہو ___!"

شام کے چار بجے ارشد کے مکان کے سامنے ایک جیپ رکی۔ راحت نے ایک کمرے سے نکل کر باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ "آپا جان! آپا جان! وہ آ گئے!" ___ ایک لمحہ کیلیے عصمت محسوسات کے اس عالم میں تھی جہاں جسم اور روح کے درمیان ایک خلا پیدا ہو جاتا ہے اور انسان کا دماغ ان رنگینیوں' دلفریبیوں اور رعنائیوں کا احاطہ نہیں کر سکتا جو اس خلا کی وسعتوں میں رقص کرتی ہیں۔ جہاں انسان کی روح زندگی کی ان رفعتوں اور گہرائیوں سے آشنا ہوتی ہے جو دماغ میں نہیں سما سکتیں۔

عصمت کتاب میز پر رکھ کر بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ راحت نے برآمدے سے پھر آواز دی "آپا جان! بھائی سلیم آ گئے ہیں" اور عصمت جیسے خواب سے بیدار ہو رہی تھی۔ جسم اور روح کے درمیان ایک عارضی خلا کی وسعتیں سمٹ کر ایک مختصر سے لفظ سے سما گئیں ___ سلیم! سلیم! سلیم! عصمت کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اپنا دوپٹہ درست کیا۔ برآمدے کی طرف کھلنے والے دروازے کے پاس پہنچی۔ جھجکی۔ رکی اور پھر اچانک برآمدے میں آ گئی۔ ڈاکٹر شوکت' ارشد' مجید اور سلیم جیپ سے اتر کر صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ سلیم' مجید کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔

"بھائی جان!" راحت نے اچانک آگے بڑھ کر سلیم کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا۔ سلیم کے ہونٹوں پر ایک

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مغموم مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ برآمدے میں پاؤں رکھتے ہوئے سلیم نے عصمت کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے ـــــ محبت کے آنسو جو ایک عورت کی آنکھوں کو شبنم آلود کلیوں سے کہیں زیادہ پاکیزگی، دلفریبی اور رعنائی عطا کرتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں میز کے گرد بیٹھے چائے پی رہے تھے اور عصمت دوسرے کمرے میں بیٹھی ان کی باتیں سُن رہی تھی۔ اچانک اس نے اُٹھ کر کمرے کے ایک کونے میں پڑا ہوا چمڑے کا چھوٹا سا بکس کھولا اور کاغذ کے ایک پُرزے میں لپٹی ہوئی سنہری انگوٹھی نکال کر انگلی میں پہن لی۔ پھر اچانک کوئی خیال آیا اور اس نے انگوٹھی اُتار کر پھر بکس میں رکھ دی۔

راحت نے کمرے میں پاؤں رکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپا جان!"

عصمت نے مُڑ کر اس کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "کیا ہے راحت؟"

راحت سہارا لے کر چلنے والی بیساکھیاں اُٹھائے ہوئے تھی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے اور وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔ "آپا جان! یہ بھائی سلیم کی ہیں۔"

"پگلی! تم کیوں رو رہی ہو؟" عصمت نے اس کے ہاتھ سے بیساکھیاں لے کر دیوار کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"آپا جان!" راحت اچانک سنبھل کر بولی۔ "مجھے ڈر تھا کہ آپ کو یہ دیکھ کر تکلیف ہو گی۔"

عصمت نے آگے بڑھ کر اُسے گلے لگا لیا اور کہا۔ "چڑیل کہیں کی، یہ ایک سپاہی کا زیور ہیں۔"

راحت نے کہا۔ "وہ بہت مغموم ہیں آپا! مجھے ڈر ہے کہ آپ کے آنسوؤں سے انھیں غلط فہمی ہو گی اور میں اسی لیے پریشان تھی۔ آپ نے کوئی بات بھی تو نہیں کی اُن سے۔"

"میں اُن سے کیا بات کر سکتی تھی!"

"اچھا! میں اُن سے کہوں گی۔"

"کیا کہو گی؟"

راحت نے آنکھوں میں شرارت آمیز تبسم لاتے ہوئے کہا۔ "جو جی میں آئے گا کہہ دوں گی۔"

چائے ختم کرنے کے بعد مجید نے اگلے دن دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے اُن سے رُخصت لی۔ ارشد اور سلیم سے مصافحہ کرنے کے بعد اس نے ڈاکٹر شوکت سے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! آیئے، میں آپ سے

بات کرنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر شوکت اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔ مجید نے صحن میں پہنچ کر قدرے تذبذب کے بعد کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! ـــــ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میری خواہش یہ ہے کہ سلیم کی شادی کر دی جائے۔ مجھ سے زیادہ اُسے کوئی نہیں جانتا، وہ بیحد حساس ہے۔ وہ ایک مہمان کی حیثیت سے چند دن سے زیادہ آپ کے ہاں قیام کرنا پسند نہیں کرے گا۔ شادی کے بعد آپ اس کیلیے کوئی ایسا کام سوچیں جس میں اسے یہ محسوس نہ ہو کہ وہ بیکار ہے۔ کشمیر کے حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ شاید ہمیں کسی دن اچانک پسپائی کا حکم مل جائے اور میں محاذ پر جانے سے پہلے سلیم کے متعلق مطمئن ہونا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر شوکت نے مجید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے شفقت آمیز لہجے میں جواب دیا۔ "بیٹا! اگر تم ابتدا نہ کرتے تو شاید کل تک میں خود تم سے یہی کہتا۔ میں اسی ارادے سے ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آیا ہوں، تم کل آؤ تو ہم سلیم سے پوچھ لیں گے۔"

"بہت اچھا۔ میں کل ایک بجے کے قریب پہنچ جاؤں گا۔"

چار دن کے بعد عصمت اور سلیم کی شادی ہو چکی تھی۔

دو ہفتے بعد ایک دن سلیم میز کے سامنے بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ عصمت کمرے میں داخل ہوئی اور بولی۔ "ناشتہ تیار ہے اور بھائی جان آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"بہت اچھا! چلیے!" سلیم نے یہ کہتے ہوئے قلم رکھ دیا اور کھڑا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"چلیے!" عصمت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری بیساکھیاں آج صبح سے غائب ہیں۔" سلیم نے قدرے پریشان ہو کر کہا۔

عصمت نے آگے بڑھ کر سلیم کا بازو پکڑ لیا اور کہا۔ "وہ میں نے غائب کر دی ہیں۔ یہاں میری موجودگی میں آپ کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف باہر جانے کے لیے آپ کو ان کے استعمال کی اجازت دے سکتی ہوں۔"

"اور اگر میں تمھارے سہارے چلتا ہوا گر پڑا تو؟"

"ہم دونوں ایک ساتھ گریں گے اور ہنستے ہوئے اُٹھیں گے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سلیم نے سنجیدہ ہو کر کہا: "نہیں عصمت! میں اپنے ساتھ تمھیں نہیں گرنے دوں گا۔ ہاں! دیکھو، میرے تکیے کے نیچے گھڑی رکھی ہوئی ہے، وہ اُٹھا لاؤ۔"

"ابھی لاتی ہوں۔" عصمت یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

سلیم نے جھجکتے جھجکتے دوسرے دروازے کی طرف چند قدم اُٹھائے۔ پنڈلی کی بعض رگوں میں کھچاؤ پیدا ہونے سے اس کے لیے ایڑی زمین سے لگانا مشکل تھا، تاہم اسے اطمینان تھا کہ وہ ایک معمولی تکلیف سے سہارے کے بغیر بھی چل سکتا ہے۔ عصمت گھڑی لے کر واپس آئی تو سلیم دوسرے دروازے سے نکل رہا تھا۔

عصمت نے جلدی سے آگے بڑھ کر اُس کا بازو پکڑ لیا اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا: "ابھی نہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد سہارے کے بغیر چل سکیں گے لیکن جلدی نہ کیجیے۔"

"میں چل سکتا ہوں عصمت! اب تو میں ایڑی پر بھی تھوڑا تھوڑا بوجھ ڈال سکتا ہوں۔"

"مجھے معلوم تھا۔ مجھے آج ہی خواب نظر آیا تھا۔ آپ ایک فوج کو پریڈ کروا رہے تھے۔"

"سچ کہتی ہو عصمت؟"

"راحت سے پوچھ لیجیے۔ میں نے اُٹھتے ہی اسے بتایا تھا۔"

"اچھا ذرا مجھے چھوڑ دو، میں ارشد کو پریشان کرتا ہوں۔"

عصمت نے مسکراتے ہوئے کہا: "ارشد پریشان نہیں ہوگا۔ آپ کی بیساکھیاں غائب کرنے کا مشورہ اُسی نے دیا تھا۔"

ارشد نے ساتھ والے کمرے سے آواز دی: "سلیم صاحب آئیے!"

سلیم اور عصمت دوسرے کمرے میں جا کر کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔ راحت ناشتہ اور چائے لے آئی۔ چائے پیتے وقت ارشد نے کہا:

"سلیم! رات میں تمھیں ایک خوش خبری سنانا چاہتا تھا۔ لیکن تم اس وقت لکھ رہے تھے۔ ہماری فوج کے چند دستے کشمیر میں داخل ہو چکے ہیں اور کئی محاذوں پر دشمن کی پیش قدمی روک دی گئی ہے۔"

سلیم کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں اور اس نے کہا: "پرسوں مجید بھی مجھ سے یہی کہتا تھا کہ تم کشمیر کے متعلق جلد کوئی اہم خبر سنو گے۔"

ارشد نے کہا: "ہندوستان کئی مہینوں سے واویلا کر رہا تھا کہ کشمیر میں پاکستان کی فوج لڑ رہی ہے۔ پاکستان کو آخر کار اس کی یہ خواہش پوری کرنی ہی پڑی۔ تمھارا کیا خیال ہے سلیم! ہندوستان ہمارے اس اقدام کے بعد پاکستان کے ساتھ کھلی جنگ مول لینے کی جرأت کرے گا؟"

سلیم نے جواب دیا: "ہندو قوم کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ صلح کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر حملہ کرتے ہیں اور اگر انھیں یقین ہو جائے کہ مدِمقابل ہار ماننے والا نہیں تو وہ خود ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہماری طرف سے صلح جوئی اور امن پسندی کے مظاہروں نے ہمیشہ اس کے جارحانہ عزائم کو تقویت دی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ہوائی جہاز کشمیر کی حدود سے گزر کر ہمارے سرحدی علاقوں پر بھی بم باری کرتے رہے ہیں۔ اب اگر پاکستانی سپاہی کشمیر میں داخل ہو چکے ہیں تو تم دیکھو گے کہ ہندوستان جنگ کی بجائے صلح کے لیے زیادہ مستعدی ظاہر کرے گا لیکن یہ اس کا ایک اور فریب ہوگا۔ اس کے سیاستدان مصالحانہ بات چیت کا ایک متناہی سلسلہ جاری رکھیں گے اور اس کے سپاہی نئے مورچے بناتے رہیں گے۔ ہمارے لیے کشمیر کا صرف وہ فیصلہ صحیح ہوگا جو پاکستانی سپاہی کی سنگین کی نوک سے لکھا جائے گا۔ میں اس دن سے اسی طرح سوچتا ہوں جب کہ کشمیر کی جنگ شروع ہوئی تھی اور تم دیکھو گے کہ عنقریب پاکستان کا ہر فرد اسی طرح سوچے گا ــــ ہندو صرف ایک زبان سمجھتا ہے ــــ اور وہ تلوار کی زبان ہے۔"

باہر سڑک پر لوگ "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے اور ان نعروں کے ساتھ ٹرکوں اور جیپوں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ راحت اچانک باہر نکلی اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر بولی: "بھائی جان! فوج جا رہی ہے۔"

سلیم نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے کہا: "عصمت! میری بیساکھیاں لا دو۔ میں باہر نکل کر انھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

عصمت دوسرے کمرے سے بیساکھیاں اُٹھا لائی۔ جب وہ باہر نکل رہا تھا تو ارشد نے اُٹھ کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا: "سلیم! ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ان بیساکھیوں کو کسی دن

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہمیشہ کے لیے غائب کر دیا جائے!"

سلیم نے جواب دیا۔ "اگر عصمت مجھے سہارا دینے پر مُصر رہی تو میں انھیں خود ہی کسی دن غائب کر دوں گا۔ آج میں پہلی بار ان کے بغیر چند قدم چلا ہوں۔"

تم بہت جلد اُن کے بغیر چلنے لگو گے پاؤں پر آہستہ آہستہ بوجھ ڈالنے کی کوشش کیا کرو۔"

سڑک کے کنارے پہنچ کر وہ دیر تک فوجی لاریوں، ٹرکوں اور جیپ کاروں کا قافلہ دیکھتے رہے۔

"بھائی جان! آپ تھک جائیں گے، میں کرسی لاتی ہوں۔"

راحت یہ کہہ کر اندر سے بید کی ایک کرسی لے آئی۔ سلیم پھاٹک سے ایک قدم آگے سڑک کے کنارے کرسی پر بیٹھ گیا۔ ارشد اُس کے قریب کھڑا تھا اور راحت اور عصمت صحن کے کنارے پودوں کی باڑ کی اوٹ میں کھڑی سڑک کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

سڑک کے کنارے لوگ سپاہیوں کو دیکھ کر خوشی کے نعرے لگا رہے تھے۔ ٹرک اور لاریاں گزر گئیں۔ ارشد ہسپتال جانے کی تیاری کرنے کے لیے اندر جا چکا تھا۔ سلیم اُٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ سڑک پر کچھ دُور پیادہ سپاہیوں کے بھاری بوٹوں کی آہٹ سُنائی دی اور وہ غیر شعوری طور پر اپنے مُنہ میں لفٹ رائٹ، لفٹ رائٹ دہرانے لگا۔

سپاہی قریب آگئے۔ عصمت اور راحت نے جلدی جلدی صحن میں اُگے ہوئے پودوں سے چند پھول توڑے اور سپاہیوں کے راستے میں پھینک دیے۔

سپاہیوں کے چند دستے گزر گئے۔ آخری دستہ دروازے کے قریب پہنچا تو ساتھ آنے والے افسر نے اچانک گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہالٹ!" ——— سپاہی رُک گئے۔

"رائٹ ٹرن" ——— سپاہیوں نے دائیں طرف مُنہ پھیر لیے۔ افسر "سٹینڈ ایٹ ایز" کہہ کر سیدھا سلیم کی طرف بڑھا۔ سلیم اسے دیکھتے ہی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا ——— یہ مجید تھا۔

اُس نے آتے ہی کہا۔ "سلیم! یہ وہ بجلیاں ہیں جن کی تمھیں تلاش تھی۔ ہم وہاں جا رہے ہیں جہاں سے تم آئے ہو۔ تم لوگوں نے کشمیر میں جو کام شروع کیا تھا، وہ ان کے ہاتھوں پورا ہو گا۔"

"تم ابھی جا رہے ہو؟"

"ہاں! کوئی ایک گھنٹہ تک ہماری بٹالین روانہ ہو جائے گی۔ بھابی جان کہاں ہیں؟"

سلیم نے صحن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ ادھر کھڑی تمھیں دیکھ رہی ہیں۔"

مجید نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔ "بھائی جان! کل امینہ کا خط آیا تھا۔ شاید وہ ایک ہفتے تک آپ کو دیکھنے کے لیے آجائے۔"

عصمت نے کہا۔ "انھوں نے مجھے بھی خط لکھا ہے۔"

"میں اس کے خط کا جواب نہیں لکھ سکا اور اب تو شاید مجھے فرصت بھی نہ ملے۔ آپ اسے لکھ دیں کہ میں یہاں سے جا چکا ہوں اور آپ کی وہ کتابیں جو میں اس دن لے گیا تھا، گم ہو گئی ہیں۔ کوئی مجھ سے پوچھے بغیر لے گیا ہے۔ ان کے بدلے میں آپ کو مہاراجہ کشمیر کے باغ کے سیب بھیج دوں گا۔"

"اور کشمیر کی فتح کی خوش خبری بھی۔"

"ہاں! وہ بھی۔"

عصمت نے کہا۔ "بھائی جان! اس کے بدلے آپ میری ساری کتابیں لے جائیں۔"

راحت جواب تک خاموش کھڑی تھی، بولی۔ "آپ میرے لیے کشمیر سے کیا لائیں گے؟"

"تمھارے لیے؟" مجید نے کچھ سوچ کر کہا۔ "تمھارے لیے میں زعفران کے پھول لاؤں گا۔"

مجید، عصمت اور راحت کو خدا حافظ کہہ کر پھر سلیم کے قریب آگیا اور بولا۔ "سلیم! میری کمپنی تمھیں سلامی دینا چاہتی ہے۔"

"نہیں! نہیں!!" سلیم نے چونک کر کہا۔

مجید نے کہا۔ "یہ اس لیے نہیں کہ تم میرے بھائی ہو بلکہ اس لیے کہ تم قوم کے وہ سپاہی ہو جس نے ہزاروں انسانوں کی جان بچائی ہے۔ یہ سپاہی اس شخص کو سلامی دینا چاہتے ہے جو راوی کے کنارے بخار سے نڈھال اور زخموں سے چُور ہونے کے باوجود بھی لڑ رہا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھا۔ یہ سلامی ان زخموں کے لیے ہے جو تم نے جہادِ کشمیر میں کھائے ہیں۔ سلیم! یہ سب تمھیں جانتے ہیں۔ میں ان سب کو تمھارا پیغام سُنایا کرتا ہوں۔"

اور جب سلیم کھڑا ہو کر ان جانبازوں کی سلامی لے رہا تھا جن کے چوڑے چکلے سینوں پر ایک قوم کی تقدیر لکھی ہوئی تھی تو اُس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔

مجید نے مارچ کرنے کا حکم دیا ـــــ سڑک پر سپاہیوں کے پاؤں کی آہٹ سُنائی دینے لگی ـــــ سپاہیوں کا دستہ گزر گیا۔ آہستہ آہستہ ان کے قدموں کی آہٹ کم ہوتی گئی۔ سلیم کے دل کی دھڑکنیں کہہ رہی تھیں :-

بڑھے چلو ـــــ بڑھے چلو ـــــ بڑھے چلو ـــــ

اس کی آنکھوں میں جمع ہونے والے آنسو ـــــ تشکر کے آنسو ـــــ

یہ ایک شاعر، ایک ادیب، ایک سپاہی اور ایک انسان کی آخری پونجی تھی جسے وہ اپنی قوم کے نوجوانوں پر نچھاور کر رہا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ایبٹ آباد
۱۲ مئی ۱۹۴۹ء

نسیم حجازی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نسیم حجازی کی تصانیف

- آخری معرکہ
- اندھیری رات کے مسافر
- قافلہ حجاز
- پردیسی درخت
- انسان اور دیوتا
- گمشدہ قافلے
- شاہین
- داستانِ مجاہد
- معظم علی
- یوسف بن تاشفین
- آخری چٹان
- محمد بن قاسم
- قیصر و کسریٰ
- کلیسا اور آگ
- اور تلوار ٹوٹ گئی

طنز و مزاح

- ثقافت کی تلاش
- سو سال بعد
- سفید جزیرہ
- پورس کے ہاتھی

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سفرنامہ حج

- پاکستان سے دیارِ حرم تک

www.jbdpress.com